SIECT

www.shibliinternational.com

October 2018

ماہنامہ

صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

-/15 روپے

اکتوبر ۲۰۱۸ء | علمی، ادبی، سائنسی، مذہبی، سماجی اور معلوماتی شاہکار | جلد:۱۔شمارہ:۹

ماہنامہ
حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری، ڈاکٹر عبدالقدوس، ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی
پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی
پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ
محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال
ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان
ابوہریرہ (اینکر: نیوز18) محسن خان

قیمت فی شمارہ: 15
سالانہ: 150 - بیرونی ممالک: 50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

MOHD MUHAMID HILAL
A/c: 52023475202
Ifsc: SBIN0020413
Micr: 500002311 Branch: Dabeerpura Hyd

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی باتیں	ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی	5
۲	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ (قسط:۵)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	6
۳	زمانہ لے رہا ہے ان کا نام	امانت علی قاسمی	10
۴	بھارتی جنتا پارٹی کی سونامی بنگال کے مسلمانوں پر	الحاج ڈاکٹر عبدالرؤف	13
۵	غزل	جہانگیر قیاس	15
۶	قیادت کے اوصاف سیرت طیبہ کی روشنی میں	فاروق طاہر	16
۷	فتنہ ارتداد۔۔ایک لمحہ فکریہ	مولانا سید ومیض ندوی	26
۸	غزل	پروفیسر مظفر علی شہ میری	28
۹	بچوں کے ادب میں خواتین کا حصہ	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	29
۱۰	اقبال فہمی	احمد نور عینی	35
۱۱	دیا ہوں اور دیئے کا فرض ادا کر رہا ہوں	نفیسہ خان	36
۱۲	حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لاابالی	حکیم سید شاہ خیر الدین قادری صوفی	39
۱۳	تنقید کا شعور اور ''اردو شاعری کے معتبر چہرے''	مولانا انصار احمد معروفی	40
۱۴	غزل	ڈاکٹر عبدالحنان رہبر	41

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی......الحاج **محمد منیرالدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد......الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد

علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر)......**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)

الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد......**محمد عبدالماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد، حیدرآباد

جناب قاضی **فیض الدین**، ایرتوڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ جناب **محمد ابوطاہر** انجینئر، ٹولی چوکی حیدرآباد

اپنی باتیں

الحمدللہ ''صدائے شبلی'' ماہ بماہ پابندی سے شائع ہورہا ہے۔اب تک آٹھ شمارے منظرعام پر آچکے ہیں۔ملک اور بیرون ملک میں باذوق اہل علم ودانش ''صدائے شبلی'' پڑھنے کے مشتاق ہیں۔ہم ان تک ''صدائے شبلی'' کے شمارے بروقت یا نہیں پہنچا پارہے ہیں،اس وجہ سے ادارے کے ذمہ داروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ادارے کی ویب سائٹ (www.shibliinternational.com) پر باقیمت پیش کیا جائے تاکہ اس آمدنی کو ٹرسٹ کے تعلیمی ادارے کے مصارف پر خرچ کی جائے۔امید ہے کہ قارئین ہمارا تعاون فرمائیں گے (ان شاءاللہ)۔

ملک کی بڑی عدالت نے حالیہ دنوں میں کچھ تشویشناک فیصلے کیے ہیں۔ان میں سے ایک ہم جنس پرستی، دوسرے رضامندی سے شادی شدہ اور غیرشادی شدہ سے نفسانی خواہش پوری کرنا۔تیسرے اسلام میں مسجد کوئی ضروری نہیں ہے۔ان میں سے بالا دو کا تعلق تو سبھی ہندستانیوں سے ہے، ہندستان ایک آزاد ملک ہی نہیں بلکہ ایک تہذیبی ملک ہے اور یہاں کی فضا اور آبادیوں میں مذہبی رنگ جگہ جگہ بغیر دیکھے ہی دکھائی دے گا۔ یہاں کی سنسکرتی میں زنا، ہم جنس پرستی کو کسی بھی صورت میں بامہذب لوگوں کے یہاں پسند نہیں کیا گیا بلکہ اسے قابل ملامت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے،بعض علاقوں میں تو اس فعل بد کرنے والے کو قتل یا اس کا سماجی بائیکاٹ کردیا جاتا ہے۔مذہب اسلام میں یہ دونوں گناہ عظیم ہیں،ہم جنس پرستی کی سزا قتل یا دردناک سزا ہے اور زنا کی سزا غیرشادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے رجم ہے۔یہ ایسی سزائیں ہیں کہ جس میں سماج کی بھلائی کئی طرح سے مضمر ہے،اس وجہ سے اس پر شکنجہ نہ کسا گیا تو ملک میں انارکی اور جگہ جگہ خون وخرابہ کا ماحول پیدا ہوگا، خاندان بکھر جائے گا،نسلیں تباہ وبرباد ہوجائیں گی۔اس فیصلے سے ہر باشعور ہندستانی کے دماغ میں یہ ضرور بات آئی ہوگی کہ جج صاحبان نے ہندستانی تہذیب کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں ہیں،اس لیے عدلیہ پر اعتماد کی سیڑھی ٹوٹتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

مذہب اسلام میں ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ جگہ پاک ہو،مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جاسکتا کہ اسلام میں مسجد کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اللہ نے سب سے پہلا گھر کعبہ بنایا اور ساری مسجدوں کا رخ کعبہ کی طرف کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔رسول اللہؐ نے ہجرت ہی میں مسجد قبا اور بعدہ مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی اور خلفائے راشدین اور موجودہ زمانے تک مسجد کو اسلام کا ایک لازمی حصہ سمجھا جاتا رہا ہے اور جس کی ترغیب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دی۔انہوں نے فرمایا کہ ''یقیناً اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں'' اور بیشک مساجد اللہ کے لیے ہیں،اپنی مسجدوں کو زینت دو۔نماز باجماعت مسجد میں ستائیس درجہ رکھتی ہے اور مرد کا اعتکاف مسجد ہی میں ہوتا ہے۔اس لیے بالا تینوں فیصلے پر عدالت عظمیٰ کو نظرثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

ادارہ مولانا رحیم الدین انصاری چیرمین تلنگانہ اردو اکیڈمی اور ڈاکٹر شیخ عقیل احمد ڈائریکٹر این سی پی یو ایل کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور یہ امید کرتا ہے کہ ان کے ذریعے اردو زبان وادب کو مزید فروغ حاصل ہوگا۔

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

گذشتہ سے پیوستہ

گلشن ہند کے اسی مقدمہ میں مولوی عبدالحق نے اس پر بھی نقد ضروری خیال کیا ہے، اور چراغ پا ہو کر لکھا ہے کہ:

''افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس سے بڑھ کر ایک ریمارک مولانا حالی کی تنقید گلزار نسیم کے متعلق ایک خط میں لکھ دیا تھا جسے لالہ چکبست صاحب نے اپنے دیباچہ گلزار نسیم میں بطور سند کے درج فرمایا ہے تعجب ہے کہ ایک ایسے فاضل محقق اور صاحب ذوق کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں جو تحقیق اور ذوق سلیم سے کوسوں دور ہیں اور خصوصا ایسی کتاب کی نسبت جو قطع نظر اس کے کہ اس میں زبان کا لطف نام کو نہیں، سیکڑوں لفظی اور معنوی غلطیوں سے پر ہے''۔(ایضاص ۲۱)

نقادوں کے درمیان تضاد بیانی کی یہ پہلی مثال نہیں ہے۔ حالی و شبلی معاصر ہیں اور دونوں زندہ ہیں خط و کتابت ہے باوجود اس کے مولوی صاحب نے کس انداز سے شبلی کی تردید کی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ چاہے جس کا موقف درست ہو تحقیق و تنقید میں مولوی عبدالحق کا یہ اسلوب درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مقدمہ میں بابائے اردو سے کئی اصولی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، جن کی نشاندہی اور تجزیہ ہمارا موضوع نہیں تاہم ایک دو کا ذکر ضروری ہے کہ ان کا تعلق بھی علامہ شبلی ہی سے ہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ تذکرہ گلشن ہند کا مخطوطہ مولوی غلام محمد کے ہاتھ لگا تھا اور انھوں نے ایڈٹ کر کے شائع کرنے کے لئے مولانا شبلی کے حوالہ کیا تھا، لیکن بابائے اردو لکھتے ہیں:

''یہ کتاب شعرائے اردو کا قابل قدر اور نایاب تذکرہ ہے اتفاق زمانہ سے ایک ایسے نیک دل اور باہمت شخص (عبداللہ خاں) کے ہاتھ لگ گیا جس نے باوجود بے بضاعتی کے چھپوانے کا تہیہ کیا اور مجھ سے کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، میں خود بے بضاعت، تاہم اس فرمائش کو جو انھوں نے دلی شوق سے کی تھی ٹال نہ سکا اور بسر و چشم قبول کیا''۔(مقدمات عبدالحق ص ۶۱)

اسے صرف نظر سے نہیں بددیانتی کا نام دیا جانا چاہئے۔

بابائے اردو نے اصل کتاب میں ترمیم و تنسیخ کی، حالانکہ ان کو یہ اختیار نہ تھا، ایک متنی محقق کو تصحیح متن اور ضروری حواشی کے سوا کسی کے کلام کو خارج یا اضافہ کرنے کا حق نہیں ہوتا لیکن انھوں نے ایسا کیا۔ عبداللہ خاں لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے چھپوانے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بھی چھوٹنے نہ پائے البتہ صرف اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ میر، سودا، درد اور مصنف کا نمونہ کلام جو اس تذکرہ میں نہایت کثرت کے ساتھ درج تھا اس میں صرف عمدہ نمونہ چن لیا گیا ہے اور اس خدمت کو بھی مولوی عبدالحق صاحب کے ذوق

سلیم نے انجام دیا ہے، اس کے سوا اس میں اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا''۔(التماس ص۱۲)

اب بابائے اردو کا بیان سنئے، فرماتے ہیں:

''مؤلف نے شعراء کا کلام جو بطور انتخاب درج کیا ہے اس میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے کلام چھپ چکے ہیں ان کے انتخابی کلام کو پبلشر نے کم کر دیا ہے۔ صرف اعلیٰ درجہ کے اشعار رکھے ہیں، خود مؤلف نے اپنے کلام سے صفحے کے صفحے رنگ دیئے تھے اس میں بھی انتخاب کر دیا گیا''۔(مقدمہ ص۲۴)

مقدمہ نگار اور پبلشر کے اقتباسات سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں، ایک یہ کہ پبلشر کی التماس بابائے اردو کی نظر سے نہیں گذری ورنہ یہ تضاد اس میں پیدا نہ ہوتا دوسرے یہ کہ تذکرہ گلشن ہند کی تصحیح وتدوین اور تحقیق متن کا کام اب بھی باقی ہے اور ضروری ہے کہ اصل تذکرہ کو محقق انداز میں شائع کیا جائے اور دکھایا جائے کہ مولوی عبدالحق کے تصرفات بیجا سے شعرا کا کون کون سا کلام سامنے نہ آسکا۔

عبداللہ خاں کی دو صفحے کی التماس نے علامہ شبلی کے اس کام کو روشنی میں لا دیا ورنہ شبلی کی اس کاوش سے زمانہ کبھی واقف نہ ہوتا۔

بابائے اردو نے دیانت کے خلاف ایک اور کام کیا ہے۔ اصل تذکرہ میں شاہ ولی اللہ اشتیاق کی بعض کتابوں کے نام غلط درج تھے، مولانا شبلی نے حاشیہ میں اسے غلط بتایا ہے۔ در اصل مرزا علی لطف نے شاہ ولی اللہ اشتیاق کو شاہ ولی اللہ دہلوی تصور کر لیا ہے، اس ضمن میں ان کی بعض کتابوں کے نام لکھے تھے، شبلی نے ان کتابوں کو فرضی قرار دیا ہے، دراصل انھوں نے بھی شاہ ولی اللہ اشتیاق کو شاہ ولی اللہ دہلوی ہی سمجھا ہے، تعجب تو یہ ہے کہ بابائے اردو نے شبلی کے فٹ کو اپنے مقدمہ میں اپنی تحقیق بتا کر پیش کر دیا ہے۔ (مقدمات عبدالحق ص ۸۷)

۲۔ تذکرہ گلشن ہند میں میر اثر کی مثنوی خواب وخیال پر حالی وشبلی کی متضاد آرا اور اس پر مولوی عبدالحق کے تند وتیز تبصرے کا تفصیلی ذکر اوپر آچکا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں بابائے اردو نے اسے مرتب کر کے شائع کیا، اس پر بھی انھوں نے حسب توقع طویل مقدمہ لکھا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ وہ جس کتاب پر مقدمہ لکھتے ہیں کتاب اور صاحب کتاب کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض مقدمے طوالت اور جامعیت کے لحاظ سے کتاب کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان کا اسلوب نگارش یا دوسرے لفظوں میں ان کی نثر طول بیانی کا بھی نمونہ ہے، اس میں بعض غیر ضروری باتیں بھی وہ لکھ جاتے ہیں۔

بابائے اردو نے علامہ شبلی کے متعلق تذکرہ گلشن ہند کی بحث کو مثنوی خواب وخیال کے دیباچے میں پھر دہرایا ہے اور تقریباً اسی انداز سے خامہ فرسائی کی ہے۔

(مقدمات عبدالحق ص ۲۳۲)

۳۔ مقدمہ تمدن ہند: تمدن عرب کے مصنف موسیو لیبان کی دوسری تصنیف تمدن ہند ہے۔ مولوی سید علی بلگرامی (۱۸۵۱-۱۹۱۱ء) نے اسے اردو جامہ پہنایا ہے۔ اس پر بھی مولوی عبدالحق کے قلم سے مقدمہ ہے۔ اصل کتاب اور ترجمہ کے ذکر سے پہلے بابائے اردو نے مترجم کے مفصل حالات وسوانح قلم بند کئے ہیں جس میں ولادت سے وفات تک کے تمام احوال لکھے ہیں۔

مولوی سید علی بلگرامی دولت آصفیہ میں بڑے عہدہ پر فائز تھے اور زندگی کا بیشتر حصہ حیدر آباد میں گذارا۔ مقدمہ نگار کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے، اس لئے ان کے ذاتی اور نجی حالات اور دیکھے اور برتے ہوئے واقعات بھی لکھے ہیں۔

مولوی سید علی بلگرامی گو عمر وعہدہ میں علامہ شبلی سے بڑے تھے مگر دونوں میں بڑے گہرے مراسم تھے۔ پہلی بار سر سید کے ساتھ جب شبلی حیدر آباد گئے تھے تب سے مراسم تھے۔

الفاروق کے دیباچہ میں ان کا بڑا والہانہ ذکر ہے۔ علامہ شبلی جب حیدرآباد گئے تو ان کے تعلقات میں اور گہرائی اور موانست پیدا ہوگئی۔ ابتداء میں شبلی کا قیام ان کے مکان پر ہی رہا، ان کا قیمتی کتب خانہ جدید علوم کی کتابوں اور قدیم اسلامی ذخائر کا معدن تھا، ایک وجہ تعلقات کی یہ بھی تھی، وہ ان کی مجلس کے حاضر باشوں میں تھے، یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالحق نے متعدد جگہ ان کی مجلسوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سوائے ایک دوجگہ کے ہر جگہ شبلی کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ یہاں انھیں نقل کیا جاتا ہے۔

ا۔ حیدرآباد میں علامہ شبلی کے تقرر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مرحوم (مولوی سید علی بلگرامی) نے نواب سروقارالامرا بہادر مرحوم کے عہد میں جو بڑے قدرداں امیر تھے، ایک سررشتہ علوم وفنون قائم کیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اردو زبان میں بذریعہ تصنیف وتالیف وترجمہ علمی کتب کا ذخیرہ بہم پہونچایا جائے، مرحوم اس سر رشتے کے نگراں مقرر ہوئے اور ان کی زیرنگرانی دکن کی تاریخ اور بعض دیگر مضامین پر کتابیں تالیف وترجمہ ہوئیں، لیکن اس وقت اس کام کے چلانے کے لئے کوئی مناسب شخص انھیں نہ ملا تھا، لہٰذا انھوں نے شمس العلما مولانا شبلی کا انتخاب کیا اور ان کا تقرر خدمت ناظم سررشتہ علوم وفنون پر بہ مشاہرہ...... ہوا۔ درحقیقت یہ انتخاب بہت ہی اچھا ہوا تھا۔ مولانا کی چند کتابیں بھی اس سلسلے میں شائع ہوئی تھیں، لیکن ملک کی بدنصیبی سے یہ سررشتہ ٹوٹ گیا''۔
>
> (مقدمات عبدالحق ص ۳۸۶)

بابائے اردو نے مولانا شبلی کے انتخاب کو بہت اچھا بتایا ہے، لیکن اس طرح کہ کوئی مناسب آدمی نہیں ملا تھا، اس لئے مولانا شبلی کا انتخاب ہوا، لیکن یہ واقعہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۰۱ء میں جب علامہ شبلی حیدرآباد پہونچے تو ناظم سررشتہ علوم وفنون کے عہدہ پر مولوی مرتضی صاحب فائز تھے، مولوی عزیز مرزا نے ان کا تبادلہ شعبہ مالیات میں کرایا اور ان کی جگہ پر علامہ شبلی کا تقرر عمل میں آیا۔

۲۔ مولوی سید علی بلگرامی کی مروت اور اہل علم کی قدر دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مجلس کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> ''مرحوم بہت بامروت تھے، اگر کوئی شخص ان سے کسی قسم کی درخواست کرتا اور وہ اس کو پوری نہ کرسکتے تو خاموش ہو رہتے مگر جب دوسری بار پھر آتا تو اسی شرمندگی میں سب سے مقدم اس کا خیال کرتے اور حتی الامکان اس کی مقصد برآری میں کوشش کرتے، یہاں تک کہ کتابیں جو انھیں بہت عزیز تھیں ان کے دینے میں بھی تامل نہ تھا بشرطیکہ وہ سچا قدرداں ہو خاص کر طالب علموں اور اہل علم کا بہت خیال کرتے تھے چنانچہ ایک روز مولانا شبلی، مولوی عزیز مرزا مرحوم، مولوی ظفر علی خاں مرحوم کے یہاں مدعو تھے، بارہ بجے کھانے کے بعد چار بجے تک مولوی شبلی مختلف اساتذہ کے شعر سناتے رہے جس سے سامعین نہایت محظوظ ہوئے۔ مرحوم نے ان کی درخواست پر فوراً ''کامل مبرد'' کا بہت عمدہ نسخہ مطبوعہ یورپ جس کی قیمت ستر روپے ہے، مولانا کی نذر کیا اور فرمایا کہ مجھ جیسا طالب علم جو کتابوں کا شوقین ہے اہل علم کی درخواست رد نہیں کرسکتا''۔
>
> (مقدمات عبدالحق ص ۳۹۳۔۳۹۴)

اب دیکھئے، مولوی سید علی بلگرامی نے خوش ہوکر کتاب نذر کی ہے مگر مولوی عبدالحق نے اسے درخواست بنادیا۔

۳۔ اسی سلسلہ یعنی کتاب نذر کرنے کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

''مرحوم (مولوی سید علی بلگرامی) نے ردالمنطقین لابن تیمیہ اپنے خرچ سے نقل کرواکر مولوی شبلی کی نذر کی، انگلستان پہونچ کر مرحوم نے مولانا کو خط لکھا کہ یہاں کی ایک علمی سوسائٹی اس کتاب کو چھپوانا چاہتی ہے، آپ وہ نسخہ بھجوا دیجئے، مولانا اپنی عادت کے موافق اس پر بہت بگڑے اور جواب میں بہت سخت سست لکھا بلکہ یہ تک تحریر فرمایا کہ چونکہ یہ کتاب آپ کے خرچ سے نقل ہوئی ہے اس لئے آپ طلب کرتے ہیں۔ مرحوم نے اس درشت اور عتاب آمیز خط کا جواب یہ دیا کہ پانچ سو روپے کی عمدہ کتابیں خرید کر مولانا کی خدمت میں بھجوادیں، چنانچہ اس کے بعد جب مولانا شبلی سرکار عالی کی درخواست پر دارالعلوم کے نصاب تعلیم کے مرتب کرنے کے لئے حیدر آباد تشریف لائے تو اس شرمندگی کے بارے میں ملے نہیں، لیکن کتب خانے کے جلسہ انتظامی میں اتفاق سے جب مٹھ بھیڑ ہوگئی تو مرحوم اس خندہ پیشانی سے پیش آئے جو ان کا شیوہ تھا''۔(مقدمات عبدالحق ص ۳۹۴)

اس بے سروپا قصہ میں انھوں نے علامہ شبلی کی عادت سخت بگڑنے والی بتائی ہے، ایک طرح سے محسن کش بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مولانا شبلی نے سرے سے اس طرح کے کسی واقعہ کی تردید کردی تب بھی اس عبارت کو مقدمہ سے خارج نہیں کیا بلکہ ہو بہو باقی رکھا اور جب چند ہم عصر شائع کی تو اس طویل افسانہ کے جواب میں حاشیہ پر ایک سطری نوٹ لکھ کر خاموش ہوگئے۔ (چند ہم عصر ص ۸۰)

۴۔ انھیں سے متعلق ایک اور واقعہ سنئے:

''جب اہل علم میں سے کوئی شخص حیدرآباد میں وارد ہوتا تو وہ خواہ کہیں کا ہو ان کی یہ بڑی خواہش ہوتی تھی کہ ان کا مہمان ہو۔ چنانچہ مولانا شبلی جب حیدرآباد تشریف لائے تو مولوی محمد عزیز مرزا مرحوم کے مہمان ہوئے۔ مرحوم کو جب دوسرے روز اطلاع ہوئی تو فوراً پہنچے اور اپنے گھر لے گئے، لیکن جب مولانا ملازم ہوتے ہی دوسری جگہ اٹھ گئے تو مرحوم کو بہت رنج ہوا، اور یہ رنج ان کے خطوط سے بھی مترشح ہوتا ہے''۔(ایضاً ص ۳۹۴۔۳۹۵)

اس اقتباس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ شبلی دو چار روز مولوی سید علی بلگرامی کے یہاں رہے اور جونہی ملازمت ملی ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی لیکن یہ واقعہ نہیں مولانا شبلی ان کے یہاں نو ماہ رہ چکے تھے، اس سے زیادہ اور کوئی کیا رواداری نبھا سکتا ہے اور اس نو مہینہ رہنے کا انجام ملاحظہ ہو۔

۵۔ مولوی عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جس زمانہ میں مولانا شبلی مرحوم ان کے یہاں مہمان تھے ایک روز فرمانے لگے کہ میں اس کا احسان تو نہیں جتا سکتا کہ آپ میرے مہمان ہیں بلکہ الٹا میں آپ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے عزت بخشی، مگر ایک بات کا آپ کو میرا شکر گذار ہونا چاہئے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری ایک بیوی ہے اور پھر بھی میں اسے نو مہینے چھوڑ کر آپ کے ساتھ کھانا کھاتا رہا''۔(ایضاً ص ۴۰۶)

یہ دراصل دونوں کے درمیان بے تکلفانہ باتیں تھیں جن کو مولوی عبدالحق نے شبلی کی تحقیر کے لئے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔.......................جاری

امانت علی قاسمی (استاذ: دار العلوم حیدر آباد)

زمانہ لے رہا ہے نام اُن کا.......
ڈاکٹر کلیم عاجز کی رحلت — ادب کے ایک عہد کا خاتمہ

انسانیت وشرافت کی منہ بولتی تصویر، درد وغم کی اتاہ گہرائی میں ڈوب کر عزم وحوصلہ کے ساتھ لوگوں کو چراغ دکھانے والا، دل کا رشتہ غم سے جوڑ کر ہمیشہ درد وغم میں رہنے والا اور اسی غم کو غزل کے سانچے میں ڈھال کر لوگوں کی تسکین فراہم کرنے والا، آسمان علم وادب کا مہر تاباں، غزل کی دنیا میں اپنے منفرد اسلوب کے چراغ روشن کرنے والا، تواضع وعاجزی جس کی رگ جاں میں پیوست، گمنامی کو شہرت پر ترجیح دینا جس کی عادت، شرافت وسادگی، نرم خوئی اور نرم گوئی جس کی فطرت۔ جس نے ایک عہد تک شاعری کی دنیا پر حکمرانی کی، جس کی غزلوں کی شہرت ہندوستان ہی نہیں دنیا کے کونے کونے میں ہے یعنی ڈاکٹر کلیم عاجز۔ ڈاکٹر کلیم عاجز نے غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے آزادی پا کر، دنیائے آب وگل کی مصیبتوں وپریشانی سے چھٹکارا حاصل کر کے بالآخر مسلسل سفر کرتے کرتے آخری سفر عالمِ ناسوت سے عالم لاہوت کا کر لیا، اور اپنے منزلِ مقصود کو جا پہنچے۔

غم جاں بھی غم جاناں بھی غم دوراں بھی
ایک دل کے لئے سامان ہے دنیا بھر کے

کلیم عاجز نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک کاروانِ ادب کی سالاری کی ہے، اور تہذیب وثقافت کے دیئے کو روشن رکھا ہے، وہ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۱۵ء میں ان کی وفات ہوئی، یعنی پانچ سال کم پوری صدی پر ان کی زندگی محیط ہے، ان کے اشعار کا پہلا مجموعہ ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' شائع ہوا تو شاعری کی دنیا میں دھوم سی مچ گئی، حقیقت یہ ہے کہ باستثنائے چند کسی مجموعہ کلام کو اتنی شہرت آج تک نہیں ملی جتنی شہرت ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' کو ملی۔ کلیم عاجز عصر حاضر کے ایسے فردِ فرید تھے جنہوں نے شاعری کے ذریعہ اپنی شخصیت کو آفاقی اور بین الاقوامی بنا لیا تھا، وہ دورِ جدید کے پہلے شاعر تھے جنہیں میر کا انداز نصیب ہوا تھا، ان کی غزلوں کے تیور نہ صرف میر کی بہترین غزلوں کی یاد دلاتے ہیں بلکہ اس سوز وگداز سے بھی روشناس کراتے ہیں جو میر کا خاصہ تھا۔

کلیم عاجز اپنی شاعری کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''میں جس طرح جن الفاظ میں سوچتا ہوں انہی الفاظ میں باتیں کرتا ہوں اور جن الفاظ میں باتیں کرتا ہوں انہی لفظوں میں شعر کہتا ہوں، فرق صرف ترتیب وترکیب کا ہوتا ہے، اور اس ترتیب وترکیب کو میں نے کتابوں سے حاصل نہیں کیا ہے، یہ میرا اپنا ہے، اور کسی کے مشورے سے بھی نہیں اپنایا گیا ہے، یہ میر کی پیروی نہیں ہے، میں پیروی کسی کی نہیں کرتا، اگر پیروی میرے مزاج میں ہوتی تو میں بآسانی غالب کی پیروی کر سکتا ہوں، لیکن اتباع میری خمیر فطرت کے خلاف ہے، میر سے کسی قدر مشابہت فن سے نہیں زندگی سے آئی ہے، جس کا شعوری احساس بہت بعد میں مجھے ہوا''۔

اس قدر سوز کہاں اور کسی ساز میں ہے
کون یہ نغمہ سرا میر کے انداز میں ہے

میری کلیم عاجز سے پہلی ملاقات دار العلوم دیوبند میں ہوئی، میری لاشعوریت کے دن تھے، لیکن باشعوروں کی بھیڑ دیکھ کر ان کی قدر وقیمت کا شعور بیدار ہوا، اسٹیج پر ایسے حضراتِ اساتذہ بھی موجود تھے، جنہیں اس سے پہلے کبھی کسی اسٹیج پر نہیں دیکھا گیا تھا، پھر اُن کے تأثرات نے میرے لئے کلیم عاجز کو اور پرکشش بنا دیا، لیکن جب سنا تب تو کلیم عاجز اس وقت تک میرے دل میں مکمل

گھر کر چکے تھے، مجمع اتنی خاموشی سے ان کو سن رہا تھا جیسے کوئی ہزاروں کی بھیڑ نہیں بلکہ بند کمرے میں کوئی گنگنانے والا اپنی مترنم آواز میں نغمہ سرائی کر رہا ہو، اس کے بعد دوسری ملاقات پٹنہ میں ان کے آشیانے پر ہوئی، کلیم عاجز عالمی شہرت کے حامل تھے، اور پٹنہ بی این کالج میں صدر شعبۂ اردو بھی، لیکن ان کے گھر اور کمرہ کو دیکھ کر کوئی نہیں محسوس کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے شاعر اور اتنی اونچی ڈگری اور منصب کے حامل شخص کا گھر ہے، ان کے مکان، لباس، رکھ رکھاؤ، چال وچلن، گفتار، ہر چیز سے تواضع وانکساری، سادگی اور بے نفسی نمایاں تھی، ہاں وضع، شرافت، مروت، اخلاق کی بلندی، اور گفتگو کی نرم گفتاری کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

اس غریبی میں بھی چلتے ہیں سر اونچا کر کے
ہم بھی اے دوست کلہدار ہیں اپنے گھر کے
ایک چلو بھی نہ اپنے لئے باقی رکھا
غیروں کو بخش دئے ساغر و مینا بھر کے

کلیم عاجز کے ساتھ ایک المناک حادثہ پیش آیا، یہ حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا دردناک واقعہ ہے، جس نے کلیم عاجز کی دنیا اجاڑ کر پوری زندگی کے لئے ان کو غم دے دیا، ۱۹۴۶ء میں ہندوپاک کی تقسیم کے وقت پورا ہندوستان جل رہا تھا، اسی میں کلیم عاجز کا گاؤں تیلہاڑہ بھی تھا، جس میں بلوائیوں نے پوری بستی کو خاک وخون میں لت پت کر دیا، اس فساد میں عین عید قرباں کے دن ان کی ماں اور بہن سمیت خاندان کے (۲۲) افراد اور گاؤں کے تقریبا (۸۰۰) افراد وحشی درندوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، مردوں نے فسادیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کی تو عورتوں نے اپنی عزت وناموس کی حفاظت کی خاطر کنویں میں کود کر اپنی عزت کی حفاظت کی، اس حادثے نے کلیم عاجز کو بہت زیادہ متاثر کیا اور اسی غم نے کلیم عاجز کو شاعر بنا دیا، جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے احساسات وجذبات کو غموں کا گلدستہ بنا کر پیش کیا، کلیم عاجز وہ شاعری کا سبب ہوا کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ان آنسوؤں میں جو لذت مجھے مل رہی ہے، یہ میری زندگی، یہی میری جان، یہی میرا فن ہے، اسی کی رعنائی اور تازگی ہے- اس کی لذت، اس کی قیمت میں ہی جانتا ہوں''۔

میرے غم کی قدر و قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ چراغ وہ ہے جس سے میرے گھر میں ہے اجالا

میرا حال پوچھ کے ہم نشیں میرے سوزِ دل کو ہوا نہ دے
بس یہی دعا میں کروں ہوں اب کہ یہ غم کسی کو خدا نہ دے

تیرا درد اتنا بڑا حادثہ ہے
کہ ہر حادثہ بھول جانا پڑے ہے

اس حادثہ میں گویا کلیم عاجز کا سب کچھ لٹ گیا تھا، جس کے غم میں کلیم عاجز ایک مدت تک نمناک رہے، کلیم عاجز کہتے ہیں:

زمانہ صبر کر لیتا ہے عاجز ہم بھی کر لیں گے
خلش دل کی مٹا لینے کو دو آنسو بہانے دو

غرضیکہ کلیم عاجز کو صبر تو ہو گیا؛ لیکن غم اور درد والم کا دامن کلیم عاجز سے کبھی نہیں چھوٹا، انہوں نے غم کو ہی غزل کے پیرایہ میں ڈھال کر لوگوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا، غم کا موضوع اردو شاعری کے لئے نیا نہیں ہے، لیکن عام طور پر شاعری میں روایتی اور مصنوعی غم پایا جاتا ہے، کلیم عاجز کا معاملہ کچھ مختلف ہے، غم کا تصور ان کے یہاں حقیقت ہے، غم ان کی سرگذشت ہے، اور اسی غم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی غزلوں میں کلیم عاجز کی پوری تصویر دکھائی دیتی ہے، ان کی غزلیں دکھ بھروں کی حکایتیں اور دل جلوں کی کہانیاں سناتی ہیں۔

جہاں غم ملا اٹھایا پھر اسے غزل میں ڈھالا
یہی درد سر خریدا یہی روگ ہم نے پالا

غزلیں کب کہتا ہوں یارو، غم کو لوریاں دیتا ہوں
کچھ رات گئے سو جاتا ہوں جب غم کو نیند آجاتی ہے

وہی سمجھتے ہیں مجھ کو جو مجھ کو سنتے ہیں
میری غزل میں میری زندگی مجسم ہے

کتنا دکھ کتنی جفا کتنا ستم دیکھا ہے
ہم نے اس عمر میں ایک عمر کا غم دیکھا ہے

کلیم عاجزؔ کی غزل کو بے پناہ مقبولیت ملی ہے، ان کا کمال یہ ہے کہ جو کوئی ان غزلوں کو پڑھتا ہے خود ان کو اپنی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے، ان کی غزلیں فرضی اور تخیلاتی موضوعات سے ہٹ کر حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں۔ کلیم عاجزؔ اس عہد کے ایسے غزل گو شاعر تھے جن کی غزلیہ شاعری ادب کی زندہ و تابندہ روایتوں اور اس کی تہذیبی قدروں سے آج بھی مکمل طور پر جڑی ہوتی ہے، غزل اردو شاعری کی آبرو ہے؛ لیکن کلیم عاجزؔ نے غزل کی آبرو رکھی ہے، ان کی غزلوں میں فکری بغاوت یا ذہنی بے راہ روی نہیں ملتی؛ بلکہ ایک قسم کا انضباط اور رکھ رکھاؤ پایا جاتا ہے، کلیم عاجزؔ صاحب دل شاعر تھے، اور حالات سے غمگین بھی، اس لئے ان کی غزلوں میں اہلِ دل کے لئے بہت بڑا ذخیرہ اور سرمایہ ہے۔

تجھے سنگ دل یہ پتہ ہے کیا کہ دکھے دلوں کی صدا ہے کیا
کبھی چوٹ تو نے بھی کھائی ہے کبھی تیرا دل بھی دکھا ہے کیا

بلائے کیوں ہو عاجزؔ کو بلانا کیا مزہ دے ہے
غزل کمبخت کچھ ایسی پڑھے ہے دل ہلا دے ہے

کلیم عاجزؔ ایک بڑے فنکار تھے، اردو ادب میں ان کا بڑا مقام تھا، لیکن ان کی طبیعت میں سادگی تھی، شہرت سے شاید ان کو نفرت تھی، یہی وجہ تھی کہ مشاعروں میں شرکت سے گریزاں رہتے تھے، اپنا کلام رسالوں میں شائع کرنے کے لئے بھی نہیں بھیجتے تھے، وہ جو شاعری کا سبب ہوا، بہت سے قدردانوں کی منت وسماجت کے بعد شائع ہوئی، ان کی طبیعت تصنع اور تکلف سے عاری تھی، لیکن اس کے باوجود کلیم عاجزؔ کا کلام باوزن اور فنکار شعراء کی نگاہ میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگیا، شاید یہ ان کا خلوص تھا جس نے ان کے نہ چاہنے کے باوجود ان کو اور ان کے کلام کو شہرت کے افق پر پہنچادیا، فراقؔ گورکھپوری لکھتے ہیں:

"اتنی ڈھلی ہوئی زبان یہ گھلاوٹ، لب ولہجہ کا یہ جادو جو صرف انتہائی خلوص سے پیدا ہوسکتا ہے، اس سے پہلے مجھے کبھی اس موجودہ صدی میں دیکھنے یا سننے کو نہیں ملا تھا، میں ان کا کلام سن کر خود اپنا کلام بھول گیا"۔

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا
تجھے اب بھی میرے خلوص کا نہ یقین آئے تو کیا کروں
تیرے گیسوؤں کو سنوار کر تجھے آئینہ بھی دکھا دیا

کلیم عاجزؔ نہ صرف غزل گو شاعر تھے، بلکہ اردو کے بہترین انشاء پرداز ادیب تھے، ان کے نثری کلام تسلسل و روانی اور حلاوت چاشنی سے بھر پور ہیں، ان کے مجموعہ کلام کی طرح ان کی ادبی کتابوں اور نثری مرثیوں نے بھی خوب شہرت حاصل کی ہے، جس طرح انہوں نے اپنی غزلوں میں اپنی زندگی کی نوحہ خوانی کی ہے اسی طرح اپنی نثری کتابوں میں بھی زیادہ تر اپنی آپ بیتی لکھی ہے، "جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی" اور "ابھی سن لو مجھ سے" یہ دونوں ان کی آپ بیتی پر مشتمل ہے، یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ، (سفر نامہ حج) دیوان دو (مجموعہ خطوط) پہلو نہ دکھے گا (ان کی بھانجی نے ان کے نام کلیم عاجزؔ کے تمام خطوط کو یکجا کردیا ہے اور وہ خدا بخش لائبریری سے شائع ہوئی ہے) دفتر گم گشتہ (پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جس میں بہار کی گمنام شخصیات اور ان کے ادبی کارناموں کو زندہ کیا گیا ہے) ایک دیس ایک بدیسی (سفرنامہ امریکہ) میری زبان میرا قلم (مجموعہ مضامین دو جلد) مجلس ادب (شعری نشستوں کی روداد) کوچۂ جاناں جاناں (نظموں اور نعتوں کا مجموعہ) پھر ایسا نظارہ نہیں ہوگا (مجموعہ کلام) ان کے علاوہ نظم ونثر پر مشتمل ایک درجن سے زائد کتابیں اردو ادب کے شائقین کے لئے آنکھوں کے سرمہ سے کم حیثیت نہیں رکھتی ہیں، کلیم عاجزؔ کا اس دار فانی سے کوچ کرنا یقیناً شعر وادب کے ایک عہد کا خاتمہ ہے۔

الحاج ڈاکٹر عبدالرؤف۔ آسنسول بنگال

بھارتی جنتا پارٹی کی سونامی بنگال کے مسلمانوں پر

آسام میں NRC (نیشنل رجسٹر آف سیٹزن) کے ذریعہ 40 لاکھ ریاست کے اصل باشندوں کو غیر ملکی قرار دیکر بنگلہ دیش واپس بھیجنے کی کوشش کی جارہی ہے جبکہ حکومت بنگلہ دیش نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ 40 لاکھ عوام بنگلہ دیشی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہندوستان کا اندورنی معاملہ ہے۔ اس کے جواب میں آسام کے ایک اسمبلی ممبر نے یہ اعلان کیا کہ ان چالیس لاکھ مسلمانوں کو گولی مار دینا چاہیے یعنی کہ آسام مسلمانوں کا مقتل بننے جارہا ہے۔

NRC (نیشنل رجسٹر آف سٹیزن) کے نفاذ نے ایک عالمی انسانی بحران کھڑا کر دیا ہے جو بی جے پی اور آر ایس ایس کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر ہے۔ جبکہ روہنگیا کی حکومت نے اپنے دس لاکھ شہریوں کو غیر ملکی قرار دیا لیکن ہندوستان کا آسام دنیا میں سرفہرست ہو گیا ہے۔ ان سب عالمی حالات سے بے پرواہ بی جے پی کے کیمپوں میں خوشی کا ماحول ہے چونکہ وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو رہا ہے۔ آر ایس ایس کا نظریہ ہندو راشٹریہ اور مسلمانوں کے لئے ہندوستان کو اسپین بنانے کی تجویز روبہ عمل ہے۔

چونکہ وہ مرکز میں اقتدار پر ہے مزید ملک کی 29 ریاستوں میں سے 13 ریاستوں میں مکمل اقتدار اور چھ ریاستوں میں الائنس حکومت ہے اس طرح 19 ریاستیں بی جے پی زیر نگین ہیں ملک کی 29 صوبوں اور چار یونین ریاستوں میں اس کے 24 گورنر ہیں۔ جمہوریہ ہندوستان کے وزیر اعظم ، راشٹر پتی اور اُپ راشٹر پتی جمہوریہ ہند بھی BJP کی پارٹی کے ہیں۔ ایک بی جے پی ممبر پارلیمنٹ نے برجستہ یہ اعلان بھی کیا کہ سپریم کورٹ بھی ہمارا ہے۔

اب برسر اقتدار یہ پارٹی آمرانہ ذہنیت ، آمرانہ نظام کی طرف پیش قدمی جاری رکھے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ آسام میں اسی ذہنیت کے تحت NRC نافذ کرنے کے لئے 1200 کروڑ روپے خرچ کئے ایک لاکھ سے زائد سرکاری ملازمین کو اس کام میں لگایا اور اتنے دستاویزات جمع کئے گئے جن کا وزن 500 ٹرک سے زائد ہے۔

ان سبھی وجوہات کی بنا پر بی جے پی کے کیمپوں میں چراغاں ہو رہے ہیں آسام کے بعد بی جے پی کے ایک سرخیل نے اعلان کر دیا کہ مغربی بنگال میں بھی NRC (نیشنل رجسٹر آف سٹیزن) نافذ ہونا چاہئے۔ تا کہ بنگال کے ہندو محفوظ رہیں۔

جبکہ مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ محترمہ ممتا بنرجی نے برجستہ BJP کو خبردار کیا کہ مغربی بنگال میں اپنی نظرِ بد نہ ڈالے۔ یہ ریاست امن واماں کا گہوارہ، تعصب سے پاک اور یہاں کا ہر ناگرک ہندوستانی شہری ہے۔

لیکن نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ بی جے پی کی یہ سو نامی کی لہر اس کے اقتدار والے صوبوں میں مسلمانوں پر اس کے مساجد و مدارس، عقیدہ، ایمان خورد و نوش پر قہر بن کر نازل ہو رہے ہیں۔ واضح ہو کہ وضع قطع سے مسلم نوجوانوں کو، ماب لنچنگ کے ذریعہ فنا کے گھاٹ اتارا جارہا ہے جہاں اقتدار میں

بی جے پی نہیں ہے وہاں اقتدار میں آنے کے لئے ساری توانائی صرف کررہی ہے۔

2019ء کے عام انتخابات کے پیش نظر بی جے پی کا یہ دعویٰ کہ وہ مغربی بنگال سے 22 سیٹیں حاصل کریں گے۔

ان کا حوصلہ اس قدر بلند کیوں ہے؟ وہ محض اس لئے کہ یہ اپنی پالیسی کے تحت الیکشن آنے سے قبل ہندو کارڈ کھیلتی ہے۔ جبکہ عوام نے دیکھا ہے کہ گذشتہ چار سالوں میں ملک کی دولت پر ڈاکہ ڈالنے والے نئور لال سے وجے مالیہ تک نے بینکوں کو لوٹ کر بدیش فرار ہونے میں سرکاری معاونت بھی حاصل کی ہے۔ خبروں کے مطابق وزیر خزانہ اس لوٹ میں ملوث ہیں۔ نوٹ بندی، GST، کمر توڑ مہنگائی، کسانوں کی خود کشی وغیرہ نے ہندوستانی عوام کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ لیکن 2019 کا الیکشن آتے ہی وہ ہندو کارڈ کھیلنے لگی ہے۔ اور ایک منظم پلاننگ کے تحت آسام میں NRC (نیشنل رجسٹر آف سٹیزن) کے ذریعہ مسلمانوں کی شہریت ختم کر دی گئی۔ ریاست کے ووٹر لسٹ سے مسلمانوں کے بے شمار نام خارج کر دئے گئے حتیٰ کہ ہندوستان کے پانچویں صدر فخر الدین علی احمد کے رشتہ داروں کے ووٹر لسٹ سے نام خارج کر دئے گئے۔ آسام سے ہی ایک سابق مسلم فوجی جنہوں نے 30 سال تک فوجی خدمات انجام دئے ہیں ان کے دستاویزات کو غلط قرار دیکر ٹربیونل کے سامنے حاضر ہونے کو ہدایت کی گئی۔

2014 کے الیکشن میں یہ دیکھا گیا کہ بی جے پی بنگال میں صرف ہندی زبان بولنے والوں پر اپنا اثر ڈال رہی ہے لیکن حالیہ دنوں میں جو حالات نظر آرہے ہیں کہ مقامی بنگالیوں پر وہ حاوی ہوچکی ہے۔ ہندوتوا کا جادو ان کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ وہ سیاسی پارٹی جو مغربی بنگال میں 36 سال تک حکومت کی تھی ان کے کیڈر بھی ہندوتوا کی لہر میں بہے جا رہے ہیں۔ دوسری سیکولر پارٹیوں سے وفاداری رکھنے والے ہندو عوام، ہندوتوا کے آغوش میں چلے جارہے ہیں۔ مغربی بنگال کے بنگالی عوام جنہیں سیکولر مزاج کا حامل کہا جاتا تھا وہ ہندوتوا کے سامنے سرنگوں ہو رہے ہیں۔

یہ تو مغربی بنگال کے موجودہ سیاسی حالات ہیں جو مسلمانوں میں بے چینی کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔ یقیناً مسلمانوں کو نوشتہ دیوار پڑھنا چاہیے۔ آنے والا کل سیاسی حالات کدھر پلٹا کھائے کوئی نہیں جانتا۔

ان دنوں ووٹر لسٹ میں ناموں کے اندراج کا کام چل رہا ہے ناموں کی غلطیاں بھی درست کی جارہی ہیں اس کا آخری وقت 31/ اکتوبر 2018ء ہے۔

ہمیں تو یہ تسلیم کرنا ہی ہے کہ ہماری طاقت کا خزانہ ہمارے ووٹوں کا ہتھیار ہے جسے ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے اکثریت والے علاقوں سے بھی غائب کردیا گیا ہے۔ لہٰذا ہماری چھوٹی بڑی سبھی ملی تنظیموں کی یہ ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ رضا کارانہ طور پر مسلمانوں کا نام ووٹر لسٹ میں اندراج کروائیں۔ ناموں کی غلطیاں درست کروائیں اس سلسلے میں ہمارے سبھی مساجد کے آئمہ حضرات ایک اہم رول ادا کر سکتے ہیں وہ ہر جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کو خطاب فرمائیں اور اس ملک میں مسلمانوں کی بقا، ہماری نسلوں کی بقا، اور ہمارے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے سب سے پہلے ووٹر لسٹ میں ناموں کے اندراج کی ایک مہم چلائیں۔ ہمارے ووٹوں کی طاقت کو بڑھایا جائے اور ہمیں متحد ومنظم کرنے کے لئے ہماری ملی پارٹیاں اپنی ساری توانائی جھونک دیں تو اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے۔ اور عام انتخابات کے زمانے میں ہماری مشترکہ ووٹ ان سیکولر پارٹی کو جو جیت حاصل کرسکتی ہیں مسلم قائدین کی نشاندہی پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ابھی گذشتہ 22/ ستمبر 2018ء کو کلکتہ کے الامین ملی کالج میں "موجودہ مسائل اور ہماری ذمہ داریاں" کے موضوع پر ایک نشست کا اہتمام کلکتہ کے ایک معروف شخص جناب ایس ایم مراد صاحب نے کیا تھا اور بنگال کے

دانشوران، علماء، صحافی ادباء واہل قلم کے خواص طبقوں بشمول دو مسلمان راجیہ سبھا ایم پی کو مدعو کیا گیا تھا۔ آسنسول سے راقم بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ میں نے اپنے طور پر اس فکر کو غالب رکھا کہ اس نشست میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور ہماری ذمہ داریاں پر ہمارے دانشوران، قائدین، بنگال میں بی جے پی کی سونامی سے نبرد آزمائی اور اپنے وجود کی بقاء کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب فرمائیں گے۔اور مسلمانوں کو کچھ ذمہ داریاں تفویض فرمائیں گے۔

اس مجلس سے خطاب کرنے والوں میں ممبر پارلیمنٹ شری سدیپ بندو پادھائے، اور راجیہ سبھا کے شری ڈیرک اوبرائے تھے۔لیکن وائے افسوس کہ اس مجلس میں موجودہ وزیر اعلیٰ کو 2019 میں ہندوستان کی متوقع وزیر اعظم کے لئے عہد و پیمان کئے جانے لگے کچھ حاضرین کو ایک منٹ میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا گیا۔لیکن ملت کے وجود و بقا کے مسائل پر گفتگو کی پابندی کی گئی۔ نتیجتاً کچھ حاضرین نے اردو زبان، مسلمانوں کی نوکری، انٹرویو میں جانبداری وغیرہ جیسے مسائل پیش کر رہے تھے کہ نشست برخاست کر دی گئی۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ بنگال میں بی جے پی کی جو سونامی اٹھی ہے اور بنگال کے مسلمانوں کے لئے BJP نے NRC کے نفاذ اور 1951 سے بنگال میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے دستاویزات کا جو ہلاکت خیز مطالبہ کیا ہے۔ اس پر دلیرانہ اقدام اور باندھ باندھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تو خدا نہ کرے یہ سونامی کی لہر چل پڑی تو کیا بنگال کے مسلمان محفوظ رہیں گے؟ جب ہمارا وجود ہی نہ رہے تو یہ اردو زبان، سرکاری نوکری ، انٹرویو کی جانبداری ہماری ہزاروں عبادت گاہیں، ہمارے ہزاروں ادارے، ہمارے ساتھ ہی فنا کے گھاٹ چلے جائیں گے۔

یہ سونامی نہ مسلمانوں کے 72 فرقوں کو دیکھے گی اور نہ ہی سینکڑوں مسالک کو چھوڑے گی نہ کسی تنظیم و پارٹی کو سمجھے گی نہ کسی عالی شان عمارتوں کو، نہ کسی پامال جھونپڑیوں کو، نہ کسی فیکٹری، کل کارخانوں کو، نہ کسی تجارت گاہوں کو، نہ کسی عالم کے مدرسوں کو، نہ کسی گوشہ نشیں عبادت وزاہد کی خانقاہوں کو، بخشے گی اور ہم سبھوں کو خش وخاشاک کی طرح بہالے جائے گی۔

اس لئے ہم مسلمانان بنگال سب سے پہلے اپنی بقا وتحفظ کے لئے اقدام کریں اگر بنگال کی موجودہ پارٹی کی وزیر اعلیٰ اس بی جے پی کی سونامی کی لہر کو روکنے اور باندھ باندھنے کے لئے پرعزم ہیں اور بنگال کے ہرنا گرک کو ہندوستانی شہری تسلیم کرنے کی پابند عہد ہیں تو ہم صرف بنگال کے مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمان ان کے ساتھ ہیں۔

غزل

جہانگیر قیاسؔ۔حیدرآباد

اپنوں سے تو ہم کوئی عداوت نہیں کرتے
دشمن کی بھی ہم بھول کے ذلت نہیں کرتے

غیروں سے تو امید ہی باقی نہیں ہرگز
"اپنوں سے بھی اب لوگ مروت نہیں کرتے"

غدار کو ہم دیش میں جینے نہیں دیں گے
جو نیک ہے ہرگز وہ بغاوت نہیں کرتے

مالک کی نظر میں بڑی تحقیر ہے ان کی
جو وقت فجر اٹھ کے تلاوت نہیں کرتے

ہے نوکری پولس کی قیاسؔ آپ کی لیکن
ڈیوٹی ہے کٹھن پھر بھی شکایت نہیں کرتے

فاروق طاہر، حیدرآباد

قیادت کے اوصاف سیرت طیبہ کی روشنی میں

چند خصوصیات ایسی ہیں جو انسان کو دیگر مخلوقات سے ممتاز و نمایاں کرتی ہیں جن میں لیڈر شپ (قیادت) بھی شامل ہے۔ قیادت کا بنیادی مقصد انسانوں کی درست رہنمائی اور ان کے مسائل کا آسان حل فراہم کرنا ہوتا ہے۔ باشعور، باصلاحیت اور دیانت دار قیادت نہ صرف انسانی مسائل کے حل میں ہمیشہ مستعد و سرگرم رہتی ہے بلکہ معاشرے کی خوشحالی امن اور ترقی میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ قیادت متعین مقاصد کے حصول کے لئے عوام کو بلا جبر و اکراہ ایک طئے شدہ سمت پر گامزن کرنے کا نام ہے۔ تاثیر و کردار کے مجموعہ کو قیادت کہتے ہیں، اور قائد سے مراد ایک ایسا شخص ہوتا ہے جب اسے کوئی ذمہ داری یا عہدہ عطا کیا جائے تو وہ اسے اپنے منصب کے شایان شان انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قیادت کوئی آسان اور معمولی کام نہیں ہے کہ جس کی انجام دہی کی ہر کس و ناکس سے توقع کی جائے۔ قیادت کا ہردم اندرونی و بیرونی چیلنجز سے سامنا ہوتا رہتا ہے۔ ان چیلنجز سے عہدہ براں ہوکر ہی قیادت اعتماد، استحکام اور قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ گوناں گوں مسائل اور چیلنجز کے باعث قیادت کی باگ ڈور ہمیشہ اہل افراد کے ہاتھوں میں ہونا بے حد ضروری ہے۔ معاشرے کو درپیش تمام مسائل کا حل ایک فرد واحد سے خواہ وہ کتنی ہی اعلیٰ صلاحیت و کردار کا حامل کیوں نہ ہو ممکن نہیں ہے۔ اکیلے انسان کا قیادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ براں ہونا بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

آج معاشرے میں ایک فرد واحد کو ہی حقیقی قائد و قیادت سمجھنے کا مغالطہ عام ہے۔ لیڈر شپ سے مراد کسی فرد واحد کی آمریت ہرگز نہیں ہے بلکہ لیڈر شپ (قیادت) ایک باشعور، باصلاحیت اور مخلص اجتماعیت کا نام ہے۔ فکری جمود اور رواجی ذہن کی وجہ سے ہم آج قیادت کا مطلب کسی فرد واحد کی آمریت کو سمجھ بیٹھے ہیں جو کہ اسلامی تعلیمات اور اصولوں کے عین مغائر ہیں۔ فکری جمود اور رواجی ذہن کی وجہ سے عوام ایک فرد واحد کو اپنا لیڈر اور نجات دہندہ مان کر اسی سے اپنے مقاصد و مسائل کے حل کی توقعات وابستہ کرتے ہوئے نقصان سے دوچار ہیں۔ آمریت پسند فرد واحد کی قیادت اپنی ذات کو حقیقی قیادت کے طور پر پیش کرتے ہوئے عوام کو دھوکا دیتی ہے۔ دلفریب نعروں سے یہ قیادت اپنے مفادات کے حصول میں جٹی رہتی ہے اور عوام ان نعروں کی گونج میں اجتماعیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ ایسے لیڈروں کی مقبولیت کے اسباب میں حکمران طبقوں کی نظر عنایت، حکمرانوں کی پسندیدگی، حکمران گھرانے سے تعلق، زندگی کے کسی ایک شعبے میں کامیاب کارکردگی، فن خطابت میں مہارت، عوامی مسائل پر مبنی نعروں کا بے دریغ استعمال وغیرہ شامل ہیں۔ عوام بالخصوص نوجوان نسل (طلبہ) کی سیاسی و شعوری تربیت کے فقدان کے سبب یہ جعلی قائدین عوام کی ایک بڑی تعداد کو بے وقوف بنانے میں کامیابی حاصل کرلیتے ہیں اور عوام ہمیں منزل نہیں رہنما چاہئے کے راگ الاپتے نظر آتے ہیں۔ اس قسم کی شخصیت پرستی سے نہ صرف ان جعلی لیڈروں کے لئے تاحیات لیڈری کا راستہ کھل جاتا ہے بلکہ نسل در نسل ان کی خاندانی حکمرانی کے راستے بھی ہموار ہوجاتے ہیں۔ عوام بالخصوص نوجوان نسل کی اس اندھی تقلید کے سبب مفاد پرست گروہ کسی ایک لیڈر کے گرد جمع ہوکر اپنے مفادات کے حصول میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ المیہ ہے کہ ان کا شخصیات کی آڑ اور قوم کی خدمت کے نام پر خوب استحصال ہوا بلکہ کیا جارہا ہے لیکن آج تک یہ اپنے استحصال سے بے خبر ہیں۔ اس منظر نامے کی تبدیلی کے لئے نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ طلبہ میں اخلاص، شعوری اور استعداد پیدا کرتے ہوئے حقیقی لیڈر شپ کو البتیز (قائدانہ اوصاف) کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ قیادت ایک عظیم الشان اور جلیل القدر منصب ہے لیکن اس کی عظمت و جلالت کی وجہ سے قیادت کے کسی بھی حکم پر اندھا دھند عمل نہیں کیا جاسکتا۔ قیادت کے احکامات و نظریات کو قرآن و سنت

کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔اگر وہ قرآن وسنت کے اصولوں پر پورے اترتے ہوں تب ہی قابل قبول اور واجب العمل ہوں گے ورنہ یکلخت انھیں نامنظور کردیا جائے گا۔’’اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے الوالامر (صاحبان امر) کی‘‘(النساء 59)سورۃ النسا کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی ایک مستقل اطاعت کا درجہ رکھتی ہے۔ اولوالامر کی اطاعت مستقل اطاعت کے درجے میں نہیں آتی بلکہ یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن وسنت کے احکامات) کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔قیادت (الوالامر) کے احکامات ونظریات قرآن کے قطعی نصوص واحادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متضاد نہ ہوں ۔صاحبان امر (قیادت) کے نظریات،اقوال واعمال اگر قرآن اور سنت رسول سے ٹکرائیں تب یہ ہرگز لائق اتباع وقابل اطاعت نہیں ہوں گے اور اس کا انکار کرنے والے نہ تو غلطی پر ہوں گے اور نہ ہی باغی۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’میرے بعد حکام ہوں گے جو نیک بھی ہوں گے اور فاسق بھی،تم ان کے احکام سننا جو حق کے موافق ہوں،ان کی اطاعت کرنا اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور اگر وہ نیک کام کریں تو اس میں ان کا بھی نفع ہے اور تمہارا بھی اور اگر وہ برے کام کریں تو ان کو ضرر اور تمہیں فائدہ ہوگا۔‘‘

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گویا قیادت مطلق العنان نہ ہو بلکہ احکامات خداوندی،سنت رسول کی روشنی میں متقی،باشعور اور اہل علم افراد کی مشاورت سے خلق خدا کی درست رہنمائی کے فرائض انجام دیتی ہو۔اللہ رب العزت نے انسان کے پیکر خاکی میں قیادت وسیادت،رہنمائی اور ہدایت کے ظاہری وباطنی بیش بہا قوتیں ودیعت فرمائی ہیں جن سے انسان کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوا ہے۔انسان اللہ کی عطا کردہ ان خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ابتدائے آفرینش سے قیادت و سیادت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔اساتذہ اپنے تلامذہ کو،اکابر اپنے اصاغر،راعی اپنی رعیت،بڑے اپنے چھوٹوں کو زندگی کے راز ہائے سربستہ اور زندگی بسر کرنے سلیقے و طریقے سکھاتے آئے ہیں اور یہ علم وفن انسانی زندگی کے آغاز سے ہی نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔قوم وملت کی قیادت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے قیادت کا اولوالعزم،دوراندیش اور عقابی نگاہ کا حامل ہونا لازمی گردانا گیا ہے۔قیادت کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں صراحت کردہ شرائط کی تکمیل لازمی ہے ۔کسی بھی فرد کو اپنا قائد منتخب کرنے سے قبل قرآن وسنت کی بیان کردہ شرائط کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔یہ بات ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ قائد بنے بنائے نازل نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کی صورت گری میں تربیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔قائدانہ صلاحیتوں (لیڈر شپ اسکلز) پر آئے دن کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور متعدد سیمینارس بھی منعقد کئے جار ہے ہیں جو اپنے علم ومعلومات کی بنیاد پر چند مثالی قائدین ورہنماؤں کو پیش کررہے ہیں۔ان مثالی شخصیات کی مثالیت کو جب اعتبار وتاثیر کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تلوں میں تو تیل ہی نہیں ہے۔آج انسان کو ایک ایسے قائد وآئیڈیل کی ضرورت ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی ورہبری کرسکے جس کی زندگی میں اعتدال و توازن ہو۔قائد کے بیان کردہ اصول وقوانین انسانی فطرت کے عین مطابق ہوں۔قیادت وسیادت پر لکھی گئی ہزاروں کتابوں اور دنیا کی نامور شخصیات کے حالات زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اثر کا دائرہ بہت ہی محدود ہے لیکن نبی اکرم صل اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے اثر کا دائرہ بسیط ومحیط ہے اور ہر طرح کی زمانی اور مکانی حدود کی قید سے آزاد بھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیم وہدایت بذات خود ایک زندہ معجزہ ہے۔اس مضمون میں قیادت کے ان اسلامی اوصاف پر توجہ مرکوز کی گئی ہے،جس کے ذریعے آدمی کو سماجی نظام میں ترقی کے مواقع میسر آسکیں اور نیا خون پرانے خون کی جگہ لیتے ہوئے جدید تقاضوں کے مطابق عوام کی بہتر رہنمائی ورہبری کے فرائض انجام دے سکے۔

اخلاص:۔قیادت کی کامیابی وکامرانی میں اخلاص کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔قیادت یقیناً ہمیشہ وقتی مصلحتوں اور تقاضوں کے گھیرے میں رہتی ہے لیکن قائد کا اخلاص وللّٰہیت اسے وقار ومرتبہ عطا کرتا ہے۔عبادات میں اگر اخلاص شامل نہ ہو تو فرض تو ادا ہوجائے گا لیکن عرفان الٰہی کی دولت سے انسان محروم رہے گا۔سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دعوت حق پر آپ کو مکہ کے بت پرستوں نے کتنی اذیتیں نہ دیں،کیسے کیسے لالچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیئے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت واخلاص میں کوئی فرق نہیں آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر

طرح کی اذیتیں برداشت کیں اور ہر قسم کی لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا۔دنیا گواہ ہے کہ یہ مشقتوں اور آزمائشوں کا دور ختم ہوگیا اور صرف 23سالوں میں صفحۂ ہستی پر ایک ایسا عظیم انقلاب رونما ہوا جس نے ہر ظلم ، ہر باطل کو خس وخاشاک کی طرح بہادیا۔کسی بھی تحریک انجمن اور تنظیم کے قائد اور کارکنان میں خلوص نیت کا پایا جانا اہم ہے۔جب قائد وقوم اخلاص سے متصف ہوجاتے ہیں تو ان کے قدموں تلے عظمتوں اور رفعتوں کے پرچم سرنگوں ہوجاتے ہیں۔

علم: علم ملک وملت کے لئے قلعہ اور ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔علم میں انسانوں کی بھلائی ،بہتری ،ترقی ،استقامت ،تزکیہ ،رشد و ہدایت ،سعادت مندی اور نسلوں کا تحفظ پنہاں ہے۔علم سے ذہن ودل روشن ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کوعلم کے ذریعے فرشتوں پر برتری عطا فرمائی ’’اور آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام بتلائے ،پھر انہی چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا ، اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتلاؤ(البقرہ 31)۔قیادت کے تقاضوں میں علم وحکمت کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔علم سے آدمی میں خیر وشر کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔قوت تمیز کے فروغ وجلا کے لئے قائد میں عام افراد سے زیادہ علم کا ہونا ضروری ہے۔علم انسان میں عدل وتوازن پیدا کرتا ہے۔علم کی وجہ سے انسان میں خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے ’’یقیناً بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علم والے ہی ہوتے ہیں‘‘(فاطر 28)۔علم کی وجہ سے اعمال میں حسن وخوبی پیدا ہوتی ہے۔انسان کا عقیدہ ،اخلاص اور سنت کی پیروی علم کے ذریعے ہی ممکن ہے اللہ کا فرمان ہے ’’جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔(محمد:19)اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قول وعمل سے پہلے علم کا ذکر فرمایا ہے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ قیادت کے فرائض انجام دینے والے شخص کا علم وحکمت سے متصف ہونا لازمی ہے۔قیادت کا ضروری علوم سے لیس ہونا لازمی ہے تاکہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی درست طریقے سے انجام دے سکے اور وقت ضرورت دوسروں کی تربیت کے فرائض بھی بہتر طور سے انجام دے سکے۔قائد کے علم میں اتنی وسعت ہو کہ دوسرے مشورے اور رہنمائی کے لئے اس کی طرف دوڑے چلے آئیں۔

حکمت: عقل وحکمت قیادت کی دوسری شرط ہے۔ایک عام انسان کے بہ نسبت قائد کا زیادہ عقل مند ہونا بہت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآں ہوسکے اور عوام کی رعایت کرسکے۔عقل و حکمت اور دانشوری سے قائد میں تجربہ ،فکر اور تدبیر کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔قائد میں عقل وحکمت جیسے اوصاف کو لازمی گردانا جاتا ہے۔قائد اپنی دانشوری کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت احتیاط سے گفتگو کرتا ہے۔دانش مندی اور حکمت مظاہر عقل میں سے ایک عظیم مظہر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ’’اور جسے دانائی عطا کی جائے تو بلاشبہ اسے بہت زیادہ بھلائی دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں‘‘۔(البقرہ 269)۔قیادت کے فرائض انجام دینے والے اشخاص کے لئے قرآن اور سیرت رسول کا مطالعہ لازمی ہے ۔قرآن مجید ایک کتاب انقلاب ہے۔قرآن نہ صرف عصر حاضر کے فتنوں اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی طاقت رکھتا ہے بلکہ تمام مسائل کا کامیاب حل بھی فراہم کرتا ہے۔جہاں اخلاقی ہدایات دیتا نظر آتا ہے وہیں اقتصادی نظام کی ٹھوس بنیادیں بھی فراہم کرتا ہے۔نہ صرف حلال وحرام کی تمیز سکھاتا ہے بلکہ حق وباطل میں فرق کی تمیز بھی پیدا کرتا ہے۔عام انسان ،نوجوان اور قیادت کے علمبردار اس کتاب انقلاب کے بغیر حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔علم وحکمت ،دانش وبینائی کے لئے قائدین کو اس کتاب الٰہی سے رجوع کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ امن وانصاف کو دنیا میں رائج کیا جاسکے۔

یقین واعتماد: قیادت کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ یہ بھی ہے کہ قائد کو اپنی ذات پر کامل اعتماد ہو اور قوم کو اپنے قائد کی صلاحیتوں پر۔اعتماد قیادت کی اعلیٰ ،اساسی اور گراں قدر خصوصیت ہے۔قائد جتنا پُراعتماد ہوگا اسی قدر وصائب رائے ہوگا۔اقبال فرماتے ہیں ؎

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

عوام میں اعتماد پیدا کرنے سے پہلے قائد کا اللہ کے بعد اپنی ذات پر کامل یقین واعتماد ضروری ہے۔اعتماد جرات کو جنم دیتا ہے اور جب جرات پیدا ہوجاتی ہے تو غلام بھی آقاؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگتے ہیں۔ایک پر اعتماد قیادت اپنے پیروکاروں میں اعتماد ویقین کی ایسی فضا پیدا کردیتی ہے کہ گدا بھی بادشاہوں کے جاہ وجلال کو خاطر میں نہیں لاتے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کی ذات پر کامل یقین اور اور خود اعتمادی ہی تھی کہ وہ دہکتی

آگ کے شعلوں میں کود پڑے اور ان کے پائے استقامت میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی بہ زبان علامہ اقبالؒ ۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشہ لب بام ابھی

اللہ پر یقین اور اپنی ذات پر جب اعتماد ہو تو نصرت الٰہی مدد کے لئے پہنچتی ہے "ہم نے فرمایا؛ اے آگ تو ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہوجا۔" (الانبیا69)۔

مقصد سے آگہی/نصب العین: ۔قائد کا نصب العین اس کی قوم کا نصب العین ہوتا ہے۔دور اندیش ولائق قیادت اپنے ملک و قوم کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مقاصد کو وضع کرتی ہے۔قائد کا فرض ہے کہ وہ متعین مقاصد کو صاف اور شفاف انداز میں پوری قوم کے آگے پیش کرے اور خیال رہے کہ مقاصد کے متعلق قائد اور قوم میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔مقاصد واضح ہوں اور مقاصد کے ادراک وتفہیم میں کسی کو بھی کسی قسم کی دشواری نہ پیش آئے ۔اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں زندگی کا مقصد و مدعا بیان کر دیا ہے "میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔" (الذاریات)۔اگر ایک جگہ اللہ نے حسن عمل کو مقصد زندگی قرار دیا ہے "جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔" (الملک) تو دوسری جگہ زندگی کا مقصد اور کامیابی کو تزکیہ نفس قرار دیا ہے۔ "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔" (الاعلیٰ)۔قرآن کی ان آیات سے جہاں انسان کے مقصد حیات اور زندگی کی کامیابی کے راز سے پردہ اٹھا جاتا ہے وہیں قیادت کے مقاصد بھی بڑے واضح انداز میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں "لوگوں میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائے"۔مقاصد پوری قوم کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہوتے ہیں اسی لئے قائد مقاصد کے تعین میں اپنے ملک وقوم کے معاشی ،سیاسی ،معاشرتی ،اخلاقی ،مذہبی ،دینی ،اور علمی حالات کو پیش نظر رکھے۔اسلام قائد کو اونچا مقام ضرور عطا کرتا ہے لیکن وہیں اسے پابند بھی کرتا ہے کہ وہ قوم کا خادم ہے "قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔"

اولوالعزمی؛ ۔قرآن نے صبر کا ایک ساتھی عزیمت کو قرار دیا ہے۔"اور جو بھی مصیبت تمہیں پہنچے، اس پر صبر کرو، بلاشبہ یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے"۔(سورہ لقمان) عزم کے معنی پختہ ارادہ ہے۔ وہ آدمی اولوالعزم ہے، جو کسی مقصد کے لیے ارادہ کرے اور اس پر جم جائے۔ایسا آدمی جو اپنے مقاصد میں پر عزم ہو اور اس کی نگاہیں اپنی منزل پر جمی ہوں تب وہ راستے کی مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔اس کے برعکس جس کے پاس عزم وہمت کی کمی ہوگی اس کے ارادے پختہ نہیں ہوں گے اور وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی طرح میدان آزمائش سے بھاگ کھڑا ہوگا۔پست عزم و حوصلے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔اولوالعزم قیادت مصائب و وسائل کی کمی کا شکوہ کرنے کے بجائے عزیمت سے مشکلات کا سامنا کرتی ہے اور پورے عزم و حوصلے کے ساتھ اپنی منزل کی سمت گامزن رہتی ہے۔حضرت عمرؓ ابوعبیدہ بن جراحؓ سے فرماتے ہیں "فتح امید سے نہیں، یقین محکم اور خدا پر اعتماد سے حاصل ہوتی ہے۔" طارق بن زیاد کو جب اندلس کی مہم پر سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا ساحل سمندر پر پہنچ کر اس نے ایک تاریخی اور حیران کن اقدام کرتے ہوئے اپنی ساری کشتیاں جلا دیں اور فوج کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی کہ "ہم لوگ یہاں اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور اس کی حکومت قائم کرنے کے لئے آئے ہیں اب ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئیں گے یا پھر اپنی جانیں جان آفریں کے حوالے کردیں گے لیکن اللہ کی حکومت قائم کیئے بغیر نہیں لوٹیں گے"۔یہ طارق کی اولوالعزمی ہی تھی کہ پوری فوج میں ایک ولولہ پیدا ہوگیا اور انھوں نے اندلس کو فتح کرلیا۔

احساس ذمہ داری؛ ۔اسلام ہر انسان میں احساس ذمہ داری اور جوابدہی کا جویا پیدا کرتا ہے ۔یہ احساس انسان میں نیکی، تقویٰ، پرہیزگاری، صالحیت اور اعلیٰ اخلاق واقدار کو پروان چڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے "تم میں ہر شخص ذمہ دار ہے ہر ایک سے اس کی رعیت کے سلسلے میں باز پرس ہوگی۔" (بخاری)۔ذمہ داری اور جواب دہی کے اسی احساس نے صحابہ اکرامؓ کو دنیا والوں کے لئے ایک بے مثال نمونہ بنا دیا۔سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں ذمہ داری اور پاسداری کا ایسا جویا پیدا کیا جو رہتی دنیا تک کے لئے ایک روشن مثال ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے پوری ذمہ داری اور دور اندیشی سے خلافت کے فرائض کو انجام دیا۔بیت المال سے کسی قسم کی مدد یا رعایت کبھی حاصل نہیں کی اور نہایت کسمپرسی

میں زندگی گزاری۔ دنیا کے ایک وسیع رقبے کو اسلامی حکومت کے پرچم تلے کرنے والے حضرت فاروق اعظمؓ کے احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ وہ کھجور کی چٹائی پر سوتے راتوں کو جاگ کر رعایا کی خبرگیری کرتے ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے حتیٰ کہ اپنی پیٹھ پر غلے کا بوجھ لاد کر رعایا تک پہنچاتے کیونکہ آپ نے اپنے آقا و قائد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دست مبارک سے خندق کھودتے ہوئے دیکھا تھا۔ قائد اپنی قوم کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ مخدوم نہیں بلکہ خادم ہوتا ہے۔ عوام کی خیر خواہی، ان کی ضرورتوں کا خیال، ان کی بہتری کی فکر نہ صرف قائد کی ذمہ داری ہے بلکہ اس کا فرض منصبی بھی ہے۔ قائد میں جب احساس ذمہ داری و جواب دہی جاگزیں ہوتا ہے تو وہ اپنے فرائض کو ٹھیک طور سے انجام دیتا ہے جس کے نتیجے میں عوام اور اس کے ماتحت اس سے خوش رہتے ہیں۔ ان میں جاں نثاری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور وہ قائد کو اپنا عملی تعاون پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

امانت و دیانت:۔ قیادت ایک امانت ہے اور اس کو اہل افراد تک پہنچانا بھی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ ''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تم کو نہایت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ دیکھتا ہے۔'' (سورہ النساء 58) قیادت جب اہل و اعلیٰ صفات افراد تک پہنچتی ہے تو وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اعلیٰ نصب العین کی جانب گامزن رہتے ہیں۔ مذکورہ آیت خاندانی اور موروثی حکمرانی وقیادت کے خاتمہ کا اعلان کرتی ہے۔ موروثیت، طاقت، اثر و رسوخ کے بل پر کوئی قیادت کا دعویدار نہیں ہوگا۔ قائد وہی ہوگا جو قیادت کا اہل ہوگا، عوام کو جواب دہ ہوگا ان کی خیر و بہتری کے اقدامات کرنے والے ہوگا۔

قوانین واصولوں کی پاسداری:۔ قائد اگر پابند ڈسپلن ہو تو اس کا خوش گوار اثر معاشرے، ماحول اور عوام پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ قائد کی ذات اصول وقوانین سے بالاتر نہیں ہوتی ہے۔ عوام کے ساتھ قائد کی اصول وقوانین پر عمل پیرائی لازمی ہے۔ قیادت کی اصول پسندی سے اس کے رعب، دبدبے اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ سے ہم کو قانون کی پاسداری اور اصول پسندی کی تعلیم دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی مرتکب عرب کی ایک معزز و با اثر خاتون کے ہاتھ کاٹ دینے کا جب حکم جاری فرمایا تو اس کے قبیلے والوں نے رسوائی اور سزا سے بچنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا غلطی کا ارتکاب کرتا تو مختلف حیلوں، بہانوں سے سزا سے بچ جاتا اور جب کوئی عام انسان کسی فعل شنیع کا مرتکب ہوتا تو سزا پاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' یہ حدیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اصولوں کی پاسداری اور حدود کے نفاذ میں تعلقات اور قربت داری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ قائد میں جب اصولوں پسندی کا یہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو ہر طرف امن و امان کا دور دورہ رہتا ہے۔ امیر غریب الغرض معاشرے کے ہر فرد کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اعتدال:۔ ہر کام کو عمدگی سے انجام دینے کے لئے اعتدال وتوازن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں ہمیں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے۔'' (سورہ البقرہ۔ 341) اللہ رب العزت نہ صرف امت کے ہر فرد کو اپنی زندگی میں اعتدال وتوازن برقرار رکھنے کا حکم دیتے ہیں بلکہ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعتدال والی روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اے محمدؐ! کہہ دیجئے کہ میرے رب نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے''۔ (اعراف۔ 92)۔ قیادت کے مطلوبہ اوصاف میں اعتدال اور توازن کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ہر شخص کو اور بالخصوص قائد کو اپنی زندگی میں شدت پسندی، افراط وتفریط اور غلو سے اجتناب کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرنا چاہئے۔

عدل و انصاف:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے وہ خود تمہیں نصیحت کر رہا ہے کہ تم نصیحت کرو۔'' (سورہ النحل) اس آیت کے مخاطب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر انسان ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف دنیا کی مختصر سی زندگی کو کارآمد بنایا جا سکتا ہے بلکہ اپنی آخرت کو بھی سنوارا جا سکتا ہے۔ پہلا حکم عدل کرنے کا ہے۔ عدل کے معنی انصاف کرنے کے ہیں یعنی ایک انسان دوسرے انسان

سے اس دنیاوی زندگی میں انصاف سے کام لے۔ کسی کے بھی ساتھ دشمنی، عناد، محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔غزوہ بدر کے موقع پر دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہوئے تھے۔قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کیا جا رہا تھا۔فدیہ کی رقم چار ہزار درہم تھی لیکن امیر ترین لوگوں سے اس سے بھی کچھ زیادہ رقم لی جا رہی تھی۔حضرت عباسؓ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اس لیے چند صحابہ اکرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ حضرت عباسؓ کا فدیہ معاف کر دیا جائے اور انہیں یونہی رہا کر دیا جائے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ عباسؓ سے ان کی امیری کی وجہ سے حسب قاعدہ چار ہزار درہم سے زیادہ وصول کیے جائیں۔(صحیح بخاری، کتاب المغازی)۔اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں قرابت بعد میں ہے اور عدل وانصاف پہلے ہے۔عدل کا دوسرا نام اعتدال بھی ہے۔یعنی آدمی کسی بھی معاملے میں افراط یا تفریط سے کام نہ لے۔قائد اس بات کا خاص خیال رکھے کہ ذرا سی بھی اونچ نیچ عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہوتی ہے۔عدل وانصاف کے تقاضوں کی تکمیل حاکم ورعایا سب پر یکساں عائد ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ حکام (قائدین) کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں""اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو یقیناً وہ بہتر چیز ہے اس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے، بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔"(سورہ النساء) سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے بلا تخصیص عوام وخواص کو یہی احکامات صادر فرمائے ہیں۔"کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو،عدل کرو یہی تقویٰ کے بہت قریب ہے۔"(المائدہ۔8)عدل کا ایک مترادف لفظ انصاف بھی ہے۔عدل کرنے والے کو عادل اور انصاف کرنے والے کو منصف کہا جاتا ہے۔قائد کا عدل وانصاف کے صفات سے متصف ہونا بہت ضروری ہے۔اگر قیادت عدل وانصاف سے کام لینے میں پہلو تہی کرے تو اسے اس کا خمیازہ دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر بھگتنا پڑے گا۔عدل وانصاف کے بغیر امن وامان کا تصور بھی محال ہے اسی لئے قیادت کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر جگہ،ہر معاملے میں عدل وانصاف کا دامن تھامے رہے۔

شجاعت:۔ قائد میں شجاعت کا ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر امارت، قیادت وسیادت ممکن نہیں ہے۔سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سے زیادہ حسین اور بہادر تھے(بخاری)۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی مقام سب سے بلند اور معروف ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ دلیر تھے۔نہایت کٹھن اور مشکل موقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ برقرار رہتے، پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور کبھی پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔(الرحیق المختوم)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے ہوئے ملے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر (خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی۔اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں، ڈرو نہیں (کوئی خطرہ نہیں ہے) (مسلم) اگر آج ہم اپنے سینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت بھر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سخاوت:۔ سخاوت ایک عبادت اور اللہ کی نعمتوں کے شکر کا نام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے سخاوت کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کو اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور جتنا بھی تھا سارا کا سارا اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی نے مانگا تو آپ نے انکار نہیں کیا،حتیٰ کہ ایک آدمی نے بکریوں سے بھری وادی کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ بھی دے دی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن پر موجود قمیض بھی اتار کر دے دی۔یہ بھی آپ کی سخاوت ہی ہے کہ آپ نے اپنی ساری زندگی امت کی خیر خواہی کیلئے وقف کر دی۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں"وہ تو محض ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے۔"(سورہ سبا)۔امت سے آپ کی محبت بھی آپ کی جود وسخا کی ایک مثال ہے۔حضرت عبداللہ ابن

عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حاجتمندوں، ضرورتمندوں اور محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔ آپ کے خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کی شان ایک تیز ہوا کی طرح تھی جو کچھ مال آپ کے پاس آتا اسے فوراً مستحقین تک پہنچا دیتے۔ جو کچھ دن کو آتا وہ رات آنے سے پہلے پہلے بٹ جاتا تھا اور تقسیم ہو جاتا تھا۔ قیادت سخاوت کے وصف سے آراستہ ہونی چاہئے۔ قیادت کو معلوم ہونا چاہئے کہ مال واسباب کا بانٹنا ہی سخاوت نہیں ہے۔ سخاوت کے کئی طریقے ہیں۔ مال خرچ کرنا سخاوت ہے۔ ظالم کو معاف کر دینا سخاوت ہے۔ زیادتی کرنے والے سے درگزر کرنا سخاوت ہے۔ قطع تعلق کرنے والے سے تعلق جوڑنا سخاوت ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح کرنا سخاوت ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا سخاوت ہے۔ کسی کا عذر قبول کرنا سخاوت ہے۔ علم ومعرفت اور اپنا تجربہ کسی کو دینا سخاوت ہے۔ اپنے حقوق سے دستبردار ہونا سخاوت ہے۔ کسی کی حوصلہ افزائی کرنا سخاوت ہے۔ کسی کی عزت افزائی کرنا سخاوت ہے۔ معاشرے کے کسی بگاڑ کو دور کرنا سخاوت ہے۔ اپنا وقت کسی کو دینا سخاوت ہے۔ کسی کی حق پر سفارش کرنا سخاوت ہے۔ کسی کی خدمت کرنا سخاوت ہے۔ تکلیف دہ اشیا کو راستے سے ہٹانا اور لوگوں کی خدمت کے لئے ان کے ساتھ چلنا بھی سخاوت ہے۔ قیادت کو علم ہونا چاہئے کہ سب سے آسان ترین سخاوت، ایک مسکراہٹ، کسی کی خیریت دریافت کرنے کیلئے ملاقات کرنا، اچھی بات کہنا، دعا دینا، کسی کی تھوڑی بہت مدد کر دینا، دوا خرید کر دینا، یہ بھی سخاوت ہے۔ نہ صرف قیادت بلکہ اب جو چاہے سخاوت کرے۔ سخاوت پر عمل کرنے کے لئے سخاوت کے دروازے اب ہر ایک کے لئے کھلے ہیں۔

حسن اخلاق:۔ اچھے اخلاق وعمدہ خصائل قیادت کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ حسن اخلاق قیادت وسیادت کو استحکام بخشتے ہیں۔ حسن اخلاق کی بدولت اپنے تو اپنے دشمن، باغی اور سرکش لوگ بھی مطیع بن جاتے ہیں۔ بااخلاق قیادت سے مرجھے دلوں میں امید، عزم، حوصلہ اور زندگی کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ عمدہ اخلاق کے ذریعے انسان لوگوں کے دلوں پر راج کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت میزان میں سب سے وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق وکردار کے سب سے افضل اور بلند معیار پر فائز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق کریمانہ سے پوری دنیا کو فتح کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں سے عزت، چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں، غیریبوں اور نادار لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھتے اور ان سے محبت، رحم دلی اور جود وسخا کا معاملہ فرماتے تھے۔ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مکمل قرآن تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ آپ نہ تو فحش گوئی کرنے والے تھے اور نہ فحش گوئی کو پسند کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے ہی اعلیٰ اخلاق سے نوازا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع اخلاق ہی تھے جس سے دشمن دوست، بیگانے اپنے اور سخت دل نرم خو بنے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی بلند اخلاق کی تعریف اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ’’وانک لعلیٰ خلق عظیم‘‘ ترجمہ۔ اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق بہت بلند ہے۔ (سورہ قلم) موطا امام مالک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ’’میں بہترین اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں خادم رسول حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے دس برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ’’اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا یہ کام کیوں نہیں کیا‘‘ (مسلم) قائد کے اخلاق واطوار مثالی ہونے چاہئے۔ قائد کے لئے منصب کے حصول سے زیادہ عوام کے دلوں میں جگہ بنانا ضروری ہوتا ہے اور جو دلوں کو فتح کرتا ہے وہی حقیقی فاتح کہلاتا ہے۔

وہ ادائے دلبری ہو یا نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرلے وہ ہی فاتح زمانہ

ایفائے عہد:۔ ایفائے عہد کی اجتماعی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قائد میں عہد وپیمان کی پاسداری اگر نہ ہو تو عوام کا قیادت پر سے یقین واطمینان اٹھ جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعدے کے اتنے پکے تھے کہ کفار مکہ آپ کو صادق وامین کہہ کر پکارتے تھے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آج قیادت دھوکہ دہی، مکر وفریب، جھوٹ، بددیانتی، خیانت جیسے موذی امراض میں

مبتلا ہے۔بات بات میں جھوٹ بولنا اور معاملات میں بددیانتی کرنا آج کے قائدین کا وطیرہ بن چکا ہے۔اسلام میں ایفائے عہد کا بڑی سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے اور وعدہ خلافی وعہد شکنی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’عہد کو پورا کرو، کیوں کہ قیامت کے دن عہد کے بارے میں انسان جواب دہ ہوگا۔‘‘ (بنی اسرائیل) قرآن نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے وعدے وفا کرتے ہیں۔خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا بار بار ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔(الحج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعے بھی ایفائے عہد کی اہمیت اور وعدہ خلافی کی برائی کو بیان فرمایا ہے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس میں تین باتیں پائی جاتی ہوں وہ منافق ہے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اگر امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔‘‘ (بخاری) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں ایفائے عہد کس قدر اہم تھا۔قائد وکارکنان ہر دم دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر ایک کے ساتھ عہد و پیمان کی پابندی کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معاہدات اور عہد و پیمان کا پورا پورا خیال رکھتے تھے ۔حضرت عبداللہ بن ابی الحمسا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ عجیب ہے۔

فرماتے ہیں: نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید وفروخت کا ایک معاملہ کیا۔کچھ رقم میں نے ادا کردی، کچھ باقی رہ گئی۔میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آکر باقی رقم بھی ادا کردوں گا۔اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔تیسرے دن جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔مگر اس سے بھی زیادہ عجیب یہ کہ میری اس وعدہ خلافی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر اک ذرا بل نہیں آیا۔بس صرف اتنا ہی فرمایا: تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔(سنن ابوداؤد)۔آج کی قیادت خاص طور پر مسلم قیادت میں وعدے اور معاہدے کی پاسداری کا فقدان ہے۔ایفائے عہد کی تکمیل کے بغیر قیادت نہ تو مقبول ہوتی ہے اور نہ ہی پروان چڑھتی ہے۔

حلم و بردباری (جذباتی ذہانت): بعض لوگ اپنے انتہائی بلند آئی کیو لیول کے باوجود دوسروں کی رہبری سے قاصر رہتے ہیں۔انتہائی ذہین لوگ بھی تنظیمی وانتظامی امور میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔اس کی ایک بالکل سادہ سی وجہ جذباتی ذہانت کا فقدان ہے۔قائد کا اپنے پیروں اور کارکنان کے مثبت اور منفی جذبات کو پہچان کر خود اپنے جذبات پر قابو رکھنا، ایک اچھی اور کامیاب لیڈر شپ کی ضمانت ہے۔حلم وبردباری کی تعریف یہ ہے کہ قائد کسی ناگہانی صورتحال میں بھی جذبات کی رو میں نہ بہے۔ناگہانی صورتحال میں اپنے ہوش وحواس پر قابو رکھے ۔معاملے پر نہایت سنجیدگی سے غور وخوض کرے۔دور اندیشی سے کام لے اور زعمائے قوم سے مشاورت کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ قائد، قیادت کے نشے میں کسی سے مشاورت کو درخور اعتناء نہیں سمجھ کر جذبات کی رو میں ایسے فیصلے کر بیٹھتا ہے جو قوم اور ملک کے مفاد میں نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔نبوی تعلیمات کی روشنی میں وہ حلم قابل تعریف ہے جس میں گالیاں دینے والے کو بھی دعائیں دی جاتی ہیں۔زیادتی کے مرتکب افراد کو نہ صرف معاف کردیا جاتا ہے بلکہ اس سے مزید حسن سلوک کا معاملہ کیا جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی دشمنوں اور عزیزوں کے قاتلوں کو تک معاف فرمادیا۔یہ معاملہ اور حسن سلوک دنیا کی تاریخ میں حلم و بردباری کا ایک سنہری باب ہے۔مختصراً ذاتی معاملات اور نظریات میں اختلاف رکھنے والوں کو برداشت کرنے اور ان سے حلم و بردباری سے پیش آنا قیادت کی مقبولیت اور اثر پذیری میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔

نرم خوئی (رفق): ۔نرم خوئی قیادت کے لئے بہت ضروری ہے۔اگر قائد کے دل میں نرمی ہوگی تو کارکنان (عوام) کے دل میں بھی اس کے لئے محبت وعزت ہوگی اور معاشرہ فتنے وفساد سے محفوظ رہے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا اللہ جو کوئی بھی میری امت کے کسی معاملے کا ولی بنا اور اس نے ان پر سختی کی تو تو بھی اس پر سختی فرما اور جو کوئی بھی میری امت کے کسی امر کا ولی بنا اور اس نے نرمی کی تو تو بھی اس پر نرمی فرما۔‘‘ (مسلم) اور ایک حدیث جو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے او نرمی کو پسند فرماتا ہے۔‘‘ (مسلم) مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ قیادت (اولوالامر) کے لئے نرم خوئی (رفق) انتہائی اہم ہے۔

عفو ودرگزر:۔زندگی کے سفر میں بعض مرتبہ ناراضگی اوررنجش پیدا ہوسکتی ہے۔ایسے موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپسی رعایت اور عفوودرگزر کے ذریعے ہماری بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔عفوودرگزر کی وجہ سے زندگی کے معمولات احسن طریقے سے انجام پاتے ہیں اور سماجی تعلقات اور رشتوں کے درمیان توازن اور الفت پیدا ہوتی ہے۔عفوودرگزر کی صفت قائد کی عظمت کو بلندی عطا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ بھی عفوودرگزر سے کام لینے والے بندوں کو پسند فرماتا ہے۔''اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''(بقرہ) قائد کو چاہئے کہ اپنے اعلیٰ کردار اور عفوودرگزر کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو فتح کرے انہیں حقائق سے روشناس کرائیں۔قیادت کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سختی،رعونت اور درشتگی کبھی بھی مفید اور کارگر ثابت نہیں ہوتی ہے۔سخت مخالفت اور تعصب کے باوجود قائد کو نرمی اور خودداری کا مظاہرہ پیش کرنا چاہئے۔قائد اگر اللہ کی رحمت اور نصرت کا طلب گار ہے تو اسے چاہئے کہ وہ عفوودرگزر کو اپنے اخلاق کا لازمی حصہ بنائے۔

رواداری:۔سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قائد میں رواداری کا عنصر ہونا بے حد ضروری ہے۔قائد کو چاہئے کہ وہ اپنے ہم عقیدہ،ہم نظریہ اور ہم مذہب سے ہی نہیں بلکہ غیر مذہب اور دیگر عقائد ونظریات کے حامل لوگوں سے بھی رواداری اور حسن سلوک سے پیش آئے۔قائد کے اردگرد مختلف نظریات اور مختلف ذہنوں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔قائد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے مذہبی نظریات وعقائد کا پاس ولحاظ رکھے اور انہیں مذہبی عبادت کی پوری آزادی فراہم کرے۔اسلام رواداری والا ایک ایسا واحد مذہب ہے جو مسلمانوں کو دیگر باطل مذاہب کے معبودوں کے متعلق بدکلامی اور گالیاں دینے سے روکتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رواداری اور صلہ رحمی کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ جس کی مثال قیامت تک کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ایک عیسائی وفد نجران سے مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرے کے مقصد سے آیا۔وفد کا ذہن مذہبی عداوت اور تعصب سے زہر آلود تھا۔جب اس وفد کے قیام کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد نبوی میں ٹھہرانے کا حکم دیا اور جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں اپنی عبادت کی اجازت مرحمت فرمادی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے پتا چلتا ہے کہ رواداری سے اغیار قریب آتے ہیں اور اچھائیاں ازخود جنم لینے لگتیں ہیں۔

عوامی رابطہ:۔ایک اعلیٰ قیادت خود کو کبھی بھی دوسروں سے الگ تھلگ نہیں رکھتی۔اسلام ہمیں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور لوگوں سے منہ پھیر کر زندگی گزارنے سے منع کرتا ہے۔قرآن مجید نے سختی کے ساتھ اس امر سے منع کیا ہے۔''وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ترجمہ:۔اور تم لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو'۔(سورہ لقمان) صعر اصل میں ایک بیماری کا نام ہے جو عرب میں اونٹوں کی گردنوں میں پائی جاتی ہے۔یہ بیماری جب اونٹ کو لگ جاتی ہے تو وہ اپنی گردن کو دائیں بائیں گھما نہیں سکتا۔قیادت جب انا پرستی کا شکار ہوجاتی ہے تو قائد کا رویہ بھی بالکل اسی طرح ہوجاتا ہے۔قائد کو اس طرح کے افعال سے سختی سے اجتناب کرنا چاہئے۔

معلومات کا ذخیرہ:۔دنیا میں جتنے بھی کامیاب لیڈر گزرے ہیں ان میں سنجیدگی سے مطالعہ کرنے اور نئی معلومات اکٹھی کرنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔کسی بھی واقعے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے قائد کے پاس مفید معلومات کا ہونا ضروری ہے۔قائد اپنی معلومات کی بنیاد پر جو اچھا یا غلط فیصلہ کرے گا اس کا براہ راست اثر اس کے پیروں اور متعلقہ ادارے پر پڑے گا۔بعض اوقات غلط معلومات یا معلومات نہ ہونے کی وجہ سے قائد سے ناقابل تلافی سرزد ہوجاتی ہے۔قائد کو اپنے وسائل سے باخبر اور آشنا رہنا چاہئے۔قائد کو سخت محنت کے بجائے دانشمندانہ سرگرمیوں اور افعال کی جانب رخ کرنا چاہئے۔اکثر عام قائد سخت اور کڑی محنت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ایک ہی کاز کی تکمیل کے لئے دیر تک کاوش و کوشش کرنا سخت محنت کے زمرے میں آتا ہے۔دانشمندانہ انداز میں مسائل وکاز کو تخلیقی،تعمیری اور منطقی انداز میں دیکھا جانا ضروری ہے۔اس طریقہ کار میں تنوع پایا جاتا ہے۔اگر سخت محنت کے نکتہ پر ہی انسان اڑا رہتا تو بتائیے کہ گوگل اور جاوا جیسی اختراعات آج عالم منظر پر نہیں ابھر سکتی تھیں۔قائد اسی لئے ہاڑورک کے ساتھ اسمارٹ ورک کو ترجیح دے۔اپنے کارکنوں کے اچھے افعال و اعمال کی ستائش کرے۔کارکنوں کو اختیارات تفویض کرنے کے بجائے انھیں ذمہ داری سونپے۔

قوت فیصلہ:۔ عام حالات کی طرح مشکل اور ہنگامی حالات میں ہر شخص کے پاس فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ ایک بااثر قائد مشکل اور کٹھن وقت میں بھی اپنی دانش و بینش کے بل پر اہم فیصلے لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بہتر قائد ہمیشہ فیصلہ سازی میں جماعت کے تجربہ کار اہل علم افراد کو نہ صرف شامل رکھتا ہے بلکہ ان تجاویز و آراپر ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ آرا و تجاویز کو رد کرتے وقت ان کی عزت نفس کا بھی خاص خیال رکھتا ہے۔ اگر قائد ان امور پر توجہ مرکوز نہیں کرے گا تو اپنے ماتحتوں کے مشوروں اور تجاویز سے وہ محروم ہو جائے گا اور وہ اسے ایک آمریت پسند قائد کے طور پر دیکھنے لگیں گے۔

تجربہ و مہارت:۔ قیادت کسی چھوٹے گروہ کی بھی ہو سکتی ہے یا پھر ایک بڑی جماعت کی بھی۔ قیادت ادنیٰ درجے کی بھی ہو سکتی ہے اور اعلیٰ درجے کی بھی۔ قائد کو جب کوئی قیادت سونپی جائے وہ اس میں مہارت رکھتا ہو یا کم از کم اس کی مبادیات اور اساسیات کا اسے علم ضرور ہو بصورت دیگر وہ اپنے عہدے سے انصاف نہیں کر سکے گا۔ قائد کا زندگی کے دیگر شعبہ جات جیسے علم و دانش ،معاشیات، مالیات، سیاسیات، قانون، ثقافت، تعلیم و تربیت، طب و صحت، فلاح و بہبود وغیرہ سے بھی آگہی رکھنا ضروری ہے ورنہ وہ قیادت کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام نہیں دے پائے گا۔

مسائل کا حل:۔ قائد کے لئے عوامی (تنظیمی) حالات سے واقفیت ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ ان کی فلاح و بہبود کے کام انجام دے سکے۔ قائد اپنے کارکنوں اور پیروں سے باخبر رہے۔ اس جانب قرآن ہماری توجہ مبذول کرتا ہے "انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا ہو گیا مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا ہے وہ غائب ہے۔" (سورہ نمل)۔ اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنہیں اللہ نے عظیم الشان سلطنت عطا کی تھی وہ نہ تو ہدہد سے بے خبر تھے اور نہ ہی اس کے معاملات سے۔ حضرت عمرؓ رعایا کی خبر گیری کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ اسی لئے آپ نے کہا "اگر فرات کے کنارے بھیڑ کا بچہ (بھوک سے) بھی مر گیا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔" (حلیۃ الاولیاء)

دوسروں تک اپنا پیغام پہنچانے کا فن:۔ تقریر ہو یا تحریر، قائد کے پاس دوسروں تک موثر طریقے سے اپنا پیغام پہنچانے کا گر ہونا چاہئے۔ اسکے پاس اچھے اور متبادل الفاظ کی فراوانی، جملوں کی روانی، زبان کی شائستگی اور بولنے میں سوز و گداز جیسے عناصر کا لازمی طور پر ذخیرہ ضرور ہے۔ قائدین مطالعہ اور اہل علم حضرات کی صحبتوں سے اپنی اس کمی کو دور کر سکتے ہیں۔

آج کے اس پرفتن دور میں ایسی صفات کی حامل قیادت کا ملنا مشکل تو ضرور ہے لیکن محال بھی نہیں ہے۔ آج قیادت بدترین شخصیت پرستی اور آمریت کے دور سے گزر رہی ہے۔ قیادت و سیادت آج احساس ذمہ داری اور اپنے فرض منصبی سے عاری ہے۔ قیادت عیاری و مکاری کا دوسرا نام بن کر رہ گئی ہے۔ قوم کے مال پر قائدین اپنی زندگی شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور کر و فر سے بسر کر رہے ہیں۔ معصوم عوام قیادت کے ظلم و ستم سہہ رہے ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ قیادت کی عیاری سے واقف نہیں ہے۔ یہ بالکل واقف ہیں لیکن ان کے پاس جرات نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہے۔ اگر علم ہو تو بھی یہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے لاعلم و نابلد ہیں۔ علم آدمی میں اعتماد پیدا کرتا ہے پھر اعتماد آدمی میں جرات پیدا کرتا ہے۔ شخصی و موروثی قیادت کی موجودگی میں نوجوان نسل کی قائدانہ تعلیم و تربیت کا انتظام کیئے بغیر اس منظر نامے کو نہ تو ہم بدل سکتے ہیں اور نہ ہی ترقی، خوشحالی اور امن و استحکام کی توقع کر سکتے ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی و غیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام : شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
AcN: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

مولانا سید احمد ومیض ندوی (استاذ حدیث دار العلوم حیدرآباد)

فتنۂ ارتداد — ایک لمحۂ فکریہ

اس وقت ملک میں ہماہمی کی صورت حال ہے، میڈیا پر مختلف خبریں گشت کررہی ہیں، ملک میں انتخابات کا موسم جوں جوں قریب آنے لگتا ہے ہردن ایک نیا ایشو اور ایک نئی خبر سامنے آتی ہے، حکمراں پارٹی کی ہر محاذ پر ناکامی اب عوام پر پوری طرح عیاں ہوچکی ہے، آنے والے اسمبلی انتخابات میں شکست کے خوف نے اسے بوکھلاہٹ کا شکار بنادیا ہے، حقیقی مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے متنازعہ بیانات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل رہا ہے، سب سے بڑی خبر اَمت شاہ کے فرزند جے شاہ کی کمپنیوں کے منافع میں اچانک اضافہ سے تعلق رکھتی تھی، جسے ''دی وائر'' کی ایک خاتون صحافی نے آشکارا کیا تھا، اس خبر سے عوام کو بے خبر کرنے کے لیے اچانک تاج محل کا موضوع چھیڑا گیا، اور اس پر بیان بازی کا ایسا سلسلہ چل پڑا کہ ملکی عوام اسی میں اُلجھ کررہ گئی، پھر سبھوں نے سرے سے یہ غور کرنا ہی چھوڑ دیا کہ شفافیت کی دعویدار اور بدعنوانی کے خلاف جنگ کی علمبردار پارٹی کے صدران کی کمپنیوں میں اچانک منافع کا اضافہ کیا معنی رکھتا ہے؟ تاج محل پر رائے زنی کا سلسلہ ابھی تھما نہیں تھا کہ برسر اقتدار جماعت کے ایک دوسرے قائد نے ٹیپو سلطان پر نشانہ لگایا، ملک کی آزادی کے لیے انگریزوں سے لڑتے جان دینے والے ٹیپو سلطان کو قاتل، متشدد اور تعصب پرست قرار دیا، میڈیا کی توجہ پھر اصل مسئلہ سے ہٹ گئی، تاج محل کے خلاف نازیبا اظہار خیال کے لیے پہلے سے کئی شخصیتوں کو تیار رکھا گیا تھا، تاج محل جیسی محبت کی نشانی پر نفرت کی سیاست جاری تھی کہ پھر ہمایوں کے مقبرہ پر نیا تنازعہ کھڑا کیا گیا، اترپردیش شیعہ وقف بورڈ کے چیرمین وسیم رضوی نے وزیر اعظم کو خط لکھ کر ان سے ہمایوں کے مقبرہ کو منہدم کرنے اور اس زمین کو قبرستان کے نام مختص کرنے کی اپیل کی، الغرض خبروں کا لامتناہی سلسلہ ہے، خبروں کے اس پٹارے میں گذشتہ دنوں سوشل میڈیا میں ایک ایسی خبر نظر سے گزری جس نے سارے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، خبر کا تعلق دہلی میں مقیم روہنگیا مسلم پناہ گزینوں سے ہے، دہلی سے تعلق رکھنے والے ایک معروف صحافی نے خبر دی کہ دہلی میں مقیم روہنگیا مسلمانوں میں سے قریب ایک سو افراد نے اسلام کو خیر باد کہہ کر عیسائیت کو گلے لگایا ہے، ابتدا میں خبر پر یقین نہ آیا، لیکن تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ خبر مصدقہ ہے۔

روہنگیا پناہ گزینوں کی حالت زار کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے، دنیا بھر کی عالمی طاقتوں کی آنکھوں کے سامنے روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے، لیکن امن کے ٹھیکیدار ٹس سے مَس ہونے کو تیار نہیں، ظالم برمی فوج اسرائیلی ہتھیاروں کا بے تحاشہ استعمال کررہی ہے، لاکھوں افراد جان بچا کر بنگلہ دیش کی سرحد عبور کرچکے ہیں، جب کہ ہزاروں انتہائی بے دردی کے ساتھ مارے جاچکے ہیں، پھر جن لوگوں نے بنگلہ دیش یا ہندوستان میں پناہ لے رکھی ہے ان کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ ہے، انہیں ایک طرف اگر وسائل کی شدید قلت کا سامنا ہے تو دوسری جانب مرکز کی فرقہ پرست حکومت آر ایس ایس کے اشارے پر انہیں ملک بدر کرنے پر تلی ہوئی ہے، اگرچہ سپریم کورٹ کی مداخلت سے وقتی طور پر انہیں راحت ملی ہے لیکن تلوار مستقل ان کے سر پر لٹک رہی ہے، مودی حکومت سلامتی کے لیے خطرات کا بہانہ بنا کر ان ستم رسیدہ مظلومین کو مزید صدمہ سے دوچار کرنا چاہتی ہے، اس وقت پوری دنیا میں پناہ گزینوں کی سب سے زیادہ شرح مسلمانوں میں ہے، عراق، افغانستان، شام اور

یمن کی جنگوں میں لاکھوں افراد بے گھر ہوکر دَر دَر کی خاک چھاننے پر مجبور ہوگئے، بہت سے سمندر کی لہروں کی نذر ہوگئے، شام کے لاکھوں مسلمانوں نے یورپی ملکوں کا رخ کیا، جہاں ان کی شناخت کے لالے پڑنے لگے۔

دنیا بھر میں بدامنی اور جنگ کی آگ بھڑکانے میں سب سے کلیدی رول امریکہ اور اس کے ہمنوا مغربی وعیسائی ممالک ادا کرتے ہیں، تاکہ جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر تباہ حال مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ عیسائیت میں داخل کیا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ حالیہ عرصہ میں جہاں جہاں جنگ کے بادل منڈلائے وہاں عیسائی مشنریاں متحرک ہوئیں، خانہ جنگی سے دوچار عراق میں قریب دو دہائی سے عیسائی مشنریاں دندنا رہی ہیں، انہیں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کھلی چھوٹ حاصل ہے، وہ سیکڑوں تباہ حال عراقیوں کو مرتد کر چکی ہیں، یہی حال شام کا ہے جہاں کے جنگ زدہ مسلمانوں کی بڑی تعداد جرمنی اور دیگر یورپی ملکوں میں پناہ لے چکی ہے، اور انہیں عیسائی مشنریوں نے اُچک لیا ہے، بہت سے پناہ گزینوں نے مستقل شہریت کے حصول کے لیے عیسائیت کو اپنالیا ہے، اس کا اندازہ عالمی میڈیا میں شائع اس رپورٹ سے کیا جاسکتا ہے جو گذشتہ دنوں منظر عام پر آئی ہے، رپورٹ کے مطابق فنلینڈ کی حکومت نے گذشتہ ایک سال کے دوران ایران، عراق، شام اور افغانستان سے فنلینڈ پہونچنے والے ان مسلمان تارکین وطن کی درخواستوں کو مسترد کردیا ہے، جنہوں نے شہریت کے لالچ میں عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا، جس کا ردعمل اس طور پر سامنے آیا کہ فنلینڈ کے چار سو عیسائی پادری ان مرتد مسلمانوں کی حمایت میں کھڑے ہوگئے، اور انھوں نے ایک پٹیشن کے ذریعہ فنلینڈ کے امیگریشن ڈپارٹمنٹ سے اپیل کی کہ مرتد ہونے والے تارکین وطن کو شہریت دی جائے، پادریوں نے حکومت کو آگاہ کیا کہ مسلم ملکوں میں مرتد کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، اور اسلامی اصولوں کے مطابق مرتد کی سزا موت ہے، اس لیے وطن کی واپسی میں ان کی زندگیوں کو خطرات لاحق ہیں، لہٰذا ان کی شہریت منظور کرلی جائے، اکتوبر ۲۰۱۶ء سے ستمبر ۲۰۱۷ء تک تین ہزار پانچ سو دس پناہ گزینوں نے شہریت کی درخواستیں جمع کرائی تھیں، جن میں ۱۸۴۹ درخواستیں رد کی گئیں، رد کردہ درخواستوں میں سے ۱۰۱۷ درخواستیں مرتدوں کی تھیں، عالمی میڈیا کے مطابق فنلینڈ کے عیسائی پادریوں نے پناہ گزینوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور شہریت دلوانے کے لیے انہیں مرتد بنانے کی غرض سے مشنری سرگرمیاں تیز کردی ہیں، اور فنلینڈ حکومت پر زور دیا کہ وہ اسلام ترک کرکے عیسائیت قبول کرنے والے پناہ گزینوں کی درخواستوں کو ہرگز رد نہ کرے۔

جنگ زدہ مسلم ممالک سے ہجرت کرکے یورپ میں پناہ لینے والے جن تارکین وطن نے ارتداد کو گلے سے لگایا ہے انہیں اس بات کا قطعی احساس نہیں ہے کہ وہ کتنی عظیم نعمت سے محروم ہورہے ہیں، ٹی وی چینلوں کو انٹرویو کے دوران انھوں نے برملا اعلان کیا کہ وہ عیسائی ہیں، فنلینڈ کے ایک مقامی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک ایرانی پناہ گزیں مرتد علی رضا حسینی نے بتایا کہ اس نے عیسائیت قبول کرلی ہے، اور وہ اچھا عیسائی بننے کی کوشش کرے گا، فنلینڈ کے ایک چرچ میں مرتد بننے والے عراقی شہری حسین محمد نے کہا کہ فنلینڈ میں زیادہ تر لوگ اس لیے امن سے رہتے ہیں کہ وہ عیسائی ہیں، ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق فنلینڈ میں موجود پناہ گزینوں میں ترک اسلام کا رجحان بڑھ رہا ہے، ہر روز دس تا بیس پناہ گزیں مقامی چرچوں میں دکھائی دیتے ہیں، گذشتہ تین سال کے دوران ڈیڑھ ہزار سے زائد مسلم پناہ گزینوں نے عیسائیت قبول کرلی ہے، یہ صرف ایک یورپی ملک کی روداد ہے، جب کہ جرمنی، یونان اور دیگر ممالک میں پیش آئے ارتداد کے معاملات آئے دن اخبارات اور میڈیا کی زینت بنتے رہتے ہیں، حالیہ عرصہ میں برما میں ہونے والے مظالم کے نتیجہ میں پناہ گزینوں کا جو سیلاب آیا ہے اس سے عیسائی مشنریاں فائدہ اٹھا سکتی ہیں، دہلی میں پیش آیا واقعہ بتاتا ہے کہ عیسائی مشنریاں روہنگیا پناہ گزینوں پر برابر نظر رکھی ہوئی ہیں، ارتداد کی یہ صورت

حال ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اخوت اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ان تباہ حال بھائیوں کا بھرپور تعاون کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فقروفاقہ سے مجبور ہو کر عیسائی مشنریوں کی آواز پر لبیک کہیں اور اپنے ایمان کا سودا کریں، ارتداد کی یہ تشویشناک صورت حال ایسی نہیں ہے کہ دعوتی حلقے اسے معمولی سمجھ کر نظرانداز کریں۔

مسلم معاشرہ میں ارتداد کی ایک صورت وہ ہے جو بین المذاہب شادیوں کی شکل میں عام ہے، مسلم لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی رچانے کے معاملات بھی آئے دن بڑھتے جارہے ہیں، کالجوں کا مخلوط ماحول، فحاشی وبے حیائی کا طوفان، موبائل کا آزادانہ استعمال اور دینی واخلاقی شعور کی کمی اس قسم کی صورت حال پیدا کررہی ہے، اس حوالے سے بعض فرقہ پرست تنظیمیں بھی کافی سرگرم ہیں، مسلم لڑکیوں کو دام محبت میں پھانسنے کے لیے غیر مسلم لڑکوں کو باقاعدہ ٹرینڈ کیا جارہا ہے، کالجوں میں زیر تعلیم تربیت یافتہ غیر مسلم لڑکے مذہبی مہم کے طور پر اس کام کو انجام دے رہے ہیں، اسی طرح لو جہاد کا ہوا کھڑا کرنے کے لیے غیر مسلم لڑکیوں کو بھی استعمال کیا جارہا ہے، تربیت یافتہ غیر مسلم لڑکیاں مسلم لڑکوں سے فون پر ربط کرکے انہیں کسی مقام پر ملاقات کے لیے مدعو کرتی ہیں، جہاں قریب ہی اس کے کچھ غیر مسلم ساتھی روپوش رہتے ہیں، مسلم لڑکا جونہی ملاقات کے لیے پہونچتا ہے اس پر ہلہ بولا جاتا ہے، اور شور مچایا جاتا ہے کہ یہ لڑکا غیر مسلم لڑکی کے ساتھ تعلقات بنارہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اس قسم کی سازشوں سے چوکنا رکھیں، اور مخلوط ماحول کی تباہ کاریوں سے انہیں بچائیں۔

حقیقی ارتداد کے علاوہ اس وقت امت مسلمہ میں ذہنی اور ثقافتی ارتداد کی صورت حال بھی کچھ کم تشویشناک نہیں ہے، مسلم معاشرے تیزی کے ساتھ ثقافتی یلغار کا شکار بن رہے ہیں، غیر مسلم کے مذہبی تہواروں میں مسلم نوجوانوں اور خواتین کی شرکت کی خبریں اخبارات اور سوشیل میڈیا میں آتی رہتی ہیں، گذشتہ دنوں ہنگاما تہوار میں غیر مسلم خواتین کے ساتھ مسلم لڑکیاں بھی رقص کرتی نظر آئیں، اسی طرح روزنامہ سیاست کی اطلاع کے مطابق گذشتہ گنیش تہوار کے موقع پر گنیش کے لڈوؤں کو بھاری قیمت ادا کرکے دو مسلم افراد نے خریدا، ہولی، دیپاولی اور سنکرانتی کے موقع پر رنگ بازی، پتنگ بازی اور آتش بازی کا رواج اب مسلم نوجوانوں میں بھی خوب عام ہورہا ہے، ثقافتی یلغار پر روک لگانے کے لیے نوجوانوں میں مذہبی شعور بیدار کرنا ازحد ضروری ہے۔

پروفیسر مظفر علی شہ میری

وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول (آندھرا پردیس)

غزل

اک فرد کا نہیں یہ، سارے جہان کا ہے
دن رات ڈر کسی کی کالی زبان کا ہے

کہرا، دھواں، اندھیرا، طوفاں، بھنور، تباہی
اک ایک لفظ اس کے تازہ بیان کا ہے

کلیاں لہو لہو ہیں اور پھول سر بُریدہ
کس سے کہیں یہ منظر، کس گلستان کا ہے

میری دکان گویا آندھی میں اڑتا تنکا
مکڑی کے گھر کے جیسا نقشہ مکان کا ہے

اونچی عمارتوں پر تم چڑھ کے شہر دیکھو
میری خوشی کا باعث زینہ مچان کا ہے

سونو جی صبح اٹھ کر اک بار سن تو لیتے
پیغام کیا ہماری پیاری اذان کا ہے

کیا فائدہ مظفر دن رات سوچ کر یہ
جو زخم پیٹھ پر ہے کس مہربان کا ہے

ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی
اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبہء اردو گورنمنٹ ڈگری کالج سدی پیٹ۔۵۰۲۱۰۳ ، ریاست تلنگانہ

بچوں کے ادب میں خواتین کا حصّہ

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

خواتین نے ادب کی قوس و قزح میں اپنے حصّے سے کئی رنگ بڑی خوب صورتی اور سلیقہ سے بھرے ہیں، اور اپنے ساز اور سوزِ دروں سے زندگی کے ہر موڑ پر رہ نمائی اور ادب کے ہر شعبہ کی آبیاری کی ہے، جس میں بچوں کا ادب بھی شامل ہے۔ اطفال اور خواتین کا رشتہ بہت گہرا اور اٹوٹ ہے، خواتین کے بغیر بچہ کا وجود، اس کی نشو ونما اور پرورش و پرداخت کا تصوّر نا ممکن ہے، ماں کی گود کو بچوں کا پہلا مدرسہ قرار دیا گیا ہے، بچوں کے زبان سیکھنے کی عمر ماں کی گود اور ماں کی زیرِ پرورش گزرتی ہے، ماں اپنے چاند کے ٹکڑے کو سلانے کے لئے موزوں اور مترنّم آواز میں لوریاں سناتی ہے، دراصل ان ہی لوریوں سے بچوں کے ادب کی ابتداء ہوتی ہے۔

بچوں کے ادب کی تاریخ میں جہاں ہمیں بے شمار مرد نظر آتے ہیں، وہیں خواتین کی موجودگی بھی کیفیت و کمّیت ہر دو اعتبار سے اہم اور لائقِ توجّہ رہی ہے، البتّہ بچوں کے ادب کے پہلے دور میں جو امیر خسرو (۱۲۵۳ تا ۱۳۲۵ء) سے ۱۸۵۷ء کے عرصہ پر محیط ہے، خواتین کی نمائندگی نظر نہیں آتی ہے۔ بچوں کے ادب کا دوسرا دور جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ماقبل آزادی تک جاری رہا ہے، اس دور میں شعوری طور پر بچوں کی نفسیات، لفظیات، ان کی ذہنی و علمی سطح اور ان کی پسند و ذوق کی رعایت کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر بچوں کا ادب تحریر کرنے کا آغاز ہوا، اس دور میں لیلےٰ خواجہ بانو، حجاب امتیاز علی، صالحہ عابد حسین اور بیگم قدسیہ زیدی کی خدمات بہت نمایاں اور منفرد ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کی اہلیہ خواجہ لیلےٰ بانو بچوں کے ادب میں "خاتونِ اوّل" کا درجہ رکھتی ہیں، انہوں نے اپنے عہد میں رائج معصوم بچوں کی عوامی، روایتی کہانیوں کو قلم بند کیا ہے، گرچہ یہ کہانیاں ان کی طبع زاد نہیں ہیں، لیکن اپنے تہذیبی سرمایہ کی صیانت کے پیشِ نظر بہت اہم ہیں، انہوں نے ۱۹۱۹ء میں یہ کہانیاں تحریر کیں، جن کو خواجہ حسن نظامی نے "بچوں کی کہانیاں" کے نام سے شائع کیا ہے، ہر کہانی میں دو یا تین تصویریں ہیں، یہ تصاویر مہاراجہ سرکشن پرشاد نے بنائی ہیں، ہر کہانی کے آخر میں خواجہ صاحب نے اپنی رائے شامل کی ہے، اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مہاراجہ سر کشن پرشاد اور خواجہ حسن نظامی جیسے شائقینِ ادب بچوں کے ادب سے کتنی دل چسپی رکھتے رہے ہیں۔

امتیاز علی تاج کی بیگم حجاب امتیاز علی نے اپنے شوہر کے شانہ بشانہ رہ کر بچوں کے ماہ نامہ پھول لاہور کی ادارت بھی کی اور بچوں کے لئے کثیر مقدار میں کہانیاں اور معلوماتی مضامین لکھے، ان کی کہانیوں میں خواب ناک ماحول، طلسماتی فضاء، تخیّلی دنیا اور بچوں کی رومانی دنیا کا حسین امتزاج ہے، ان کی کہانیاں بچوں کے ادب میں ممتاز مقام رکھتی ہیں، حجاب امتیاز علی خاتون مصنّفین میں نمایاں شخصیت کی حامل ہیں، بچوں سے متعلّق ان کی تصنیفات بچوں کے ادب میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔(۱)

صالحہ عابد حسین کو بچوں اور بچیوں کے ادب سے

بے انتہاء عشق تھا، ڈاکٹر ذاکر حسینؒ "جامعہ اسکول" سے بچوں کے لئے جو تعمیری کام کیا، اس میں ڈاکٹر عابد حسین کے دوش بدوش صالحہ عابد حسین کا نمایاں رول رہا ہے، ماہ نامہ "پیامِ تعلیم" کا اجراء ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر عابد حسین کی زیرِ ادارت ہوا، پیامِ تعلیم میں وہ پابندی سے لکھا کرتی تھیں، وہ آخری دم تک بچوں کے لئے لکھتی رہیں، صالحہ عابد حسین نے بچوں کے لئے افسانوی اور غیر افسانوی دونوں قسم کا ادب تحریر کیا، اور دوسری زبانوں کی کہانیوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا، پیامِ تعلیم میں شائع شدہ بے شمار کہانیوں اور مضامین کے علاوہ ان کی تقریباً ایک درجن کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سندر چنار، ایک دیس ایک خون، زعفرانپریوں کے دیس میں، شملے کی سیر، بچوں کے حالی اور ہم کماری بہت مقبول و مشہور ہیں، ان کی کہانیاں اور مضامین بچوں میں حب الوطنی، قومی یک جہتی، قومی یگانگت، بزرگوں کا ادب واحترام اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

قدسیہ زیدی نے ڈاکٹر ذاکر حسین اور پنڈت جواہر لال نہرو کی زیرِ قیادت اور سرپرستی میں بچوں کے لئے خالص تفریحی ادب تحریر کیا، انہوں نے بچوں کے ادب مین با تصویر کہانیوں کو ترجیح دی، اردو ادب اطفال کی تاریخ میں با تصویر کہانیوں کو فروغ دینے میں قدسیہ زیدی کا نام سرِ فہرست ہے، قدسیہ زیدی نے اپنے قلم کو صرف بچوں کے لئے وقف رکھا، انہوں نے بچوں کے ادب کو خوب سے خوب تر بنا کر پیش کرنے کی لائقِ تحسین کوشش کی ہے، انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں اور ڈرامے بھی لکھے اور معلوماتی مضامین بھی، ساتھ ہی مغربی زبانوں کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، لیکن ان کا سب سے اہم کام ان کی باتصویر کہانیاں ہیں، آج سے ۸۰۔۸۵ برس پہلے انہوں نے اردو داں بچوں کے لئے ایسی خوب صورت، رنگین اور دیدہ زیب کتابیں پیش کیں، جن کا مقابلہ مغربی ادب سے کیا جاسکتا ہے۔(۲)

ادبِ اطفال کے تیسرے دور (۱۹۴۷۔۲۰۰۰ء) میں ایسی ممتاز خواتین نظر آتی ہیں، جن میں سے چند نے نہ صرف بچوں کے ادب میں بلکہ بڑوں کے ادب میں بھی عالمی سطح پر مقبولیت حاصل کی ہے، جیسے: رضیہ سجّاد ظہیر، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، عفت موہانی، شفیقہ فرحت، اشرف صبوحی، ثریا فرخ، عابدہ محبوب، مسعودہ حیات، اے۔ آر۔ خاتون، عطیہ پروین، واجدہ تبسّم، رفیعہ منظور الامین، جیلانی بانو، سیّدہ اعجاز، مشیر فاطمہ، زیب النساء بیگم اور کرن شبنم وغیرہ۔

بیسویں صدی کی مشہور افسانہ نگار عصمت چغتائی نے بچوں کے لیے خاصی تعداد میں کہانیاں لکھی ہیں، انہوں نے بچوں کی کہانیاں اس انداز سے لکھی ہیں، جیسے بچوں سے گھل مل کر باتیں کر رہی ہوں، وہ بمبئی کے اسکول میں معلّمہ تھیں، اس لئے انہیں بچوں سے اور ان کی نفسیات کو سمجھنے کا موقع ملا، ان کی کہانیوں میں بچپن، سفید جھوٹ، بلّی کا کرشمہ، بشیرے کی ماں اور قدرت کا مذاق قابلِ ذکر ہیں، بچوں کے لئے ان کا ناول: تین انا ڑی (۱۹۸۰ء) اپنی مثال آپ ہے، یہ دل چسپ ناول تین شوخ وشنگ لڑکوں (کلّو، ببلو اور ٹیٹو) کی شرارتوں پر مبنی ہے، جس میں بچوں کے مسائل کو ان کی نفسیاتی پیچیدگی کے پیشِ نظر حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس ناول میں ایسی دل کشی اور مقناطیسی ہے کہ بچّے اسے ختم کئے بغیر نہیں رکھ سکتے، زبان وبیان کے اعتبار سے یہ ایک کامیاب ناول ہے، اور اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔(۳)

ترقّی پسند تحریک کے بانی سجّاد ظہیر کی بیگم اور مشہور افسانہ نویس رضیہ سجّاد ظہیر نے بچوں کے لئے کئی کہانیاں لکھی ہیں، اور دوسری زبانوں کی کہانیوں کو اردو کا جامہ پہنایا ہے، ان کی طبع زاد کہانیوں میں ننھا مہاوت، صبر شہزادہ اور سنگیت رنگ قابلِ ذکر ہیں، "ولی عہد" ان کی ایک طویل کہانی ہے، جو ماہ نامہ کھلونا نئی دہلی میں فروری ۱۹۵۷ء سے مئی ۱۹۵۷ء تک قسط وار رہوئی۔ ہماری ندیوں کی کہانی، بہت دن ہوئے اور جنّت کی سیر وہ کہانیاں ہیں، جو دوسری زبان سے ترجمہ کردہ ہیں، سلطان زین العابدین بڈشاہ ان کی طبع زاد تاریخی کہانی ہے، یہ تمام کتابیں نہرو بال

پستکالیہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ (۴)

اردو کے افسانوی ادب میں قرۃ العین حیدر کا نام نہایت عزّت و احترام سے لیا جاتا ہے، وہ ہندوستان کی ایسی عظیم ناول نگار ہیں، جن کو مشرقی اور مغربی افسانوی ادب پر یکساں عبور حاصل تھا، بڑوں کے باوصف انہوں نے بچوں کے ادب کی طرف ایک مخصوص انداز میں توجّہ کی ہے، غیر ملکی زبانوں کی کہانیوں، معلوماتی مضامین اور ناول کو اردو کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے کہ ان کی اجنبیت جاتی رہی ہے، این لاگن کا ان کا ترجمہ کردہ ناول: جن حسن عبد الرحمٰن کو اردو ادب کے سائنس فکشن میں اوّلیت حاصل ہے، ناول کے علاوہ انہوں نے بچوں کے لئے جو کتابیں دوسری زبانوں سے اردو ادب میں منتقل کی ہیں، ان میں: بھیڑیئے کے بچّے، شیر خان، میاں ڈھینچوں کے بچے، ہرن کے بچے، بہادر اور لومڑی کے بچّے بڑی دل چسپ ہیں، یہ کتابیں روس سے ترجمہ کے لئے آئی تھیں، اس کام کا بیڑا مکتبہ پیامِ تعلیم نے اٹھایا تھا، قرۃ العین حیدر کو ترجمہ نگاری سے بے انتہا شغف تھا، ترجمے کے اس شوق نے ان کے فن کو جلا دی، روسی مصنّف اوپیروفسکایا کی متذکرہ کتب تراجم میں قرۃ العین حیدر نے ایسی رواں دواں زبان بے ساختہ طرزِ بیان اختیار کیا ہے کہ کہیں بھی ترجمہ کا احساس نہیں ہوتا، بلکہ طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے، غرض اردو ادبِ اطفال میں قرۃ العین حیدر ایک اچھے مترجم کی حیثیت سے مدّتوں یاد رکھی جائیں گی۔ (۵)

خاتون ناول نگاروں میں اے۔آر۔خاتون کا نام محتاجِ تعارف نہیں، ان کے رشحاتِ قلم سے بچوں کے لئے کئی دل چسپ طویل کہانیاں بھی نکلی ہیں، جو مختلف رسائل میں طبع ہونے کے بعد مکتبہ کلیاں لکھنؤ کے وسیلے سے منظرِ عام پر آئی ہیں، ایسی کتابوں میں: سات خیلائیں، سات کھلاڑی، نگینہ، بھائی بہن، ساڑھے تین بار، زمانہ، آبشار اور شہزادی ماہ رخ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، ان کی ایک کتاب: شہزادی بیگم معہ بربادی بیگم مکتبہ علم و ادب لکھنؤ نے شائع کی ہے، اے۔آر۔خاتون نے اخلاقی اور اصلاحی کہانیاں لکھ کر بچوں کے ادب میں اضافہ کیا ہے، انہوں نے ایسے دل چسپ پیرائے میں کہانیاں بیان کی ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے از خود اپنی اصلاح پر مائل ہوں۔ (۶)

اردو ناول نگاری میں عفت موہانی کا نام مقبولیت کا حامل رہا ہے، بڑوں کے علاوہ انہوں نے معصوم ذہنوں کی آبیاری کے لئے متعدد کہانیاں اور ناولٹ قلم بند کئے ہیں، وہ ناول نگاری کے ساتھ ادب اطفال کے میدان میں ایک انوکھے انداز میں داخل ہوئیں، انہوں امتیاز علی تاج کے ناقابلِ فراموش مزاحیہ کردار چچا چھکّن کی طرز پر بچوں کے لئے دل چسپ کردار "نانی امّاں" وضع کیا، اور اپنی کہانیوں میں ان ہی کے معصوم اور مضحکہ خیز واقعات کو بچوں کی عام فہم زبان میں تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے، ان کی تمام کہانیاں ماہ نامہ کلیاں لکھنؤ میں شائع میں شائع ہوئیں، اور پھر مکتبہ کلیاں نے کتابی شکل میں انہیں شائع کیا، عفت موہانی اپنے انوکھے کردار اور طنز و ظرافت آمیز اسلوب کی بنا پر بچوں کے ادب میں مدّتوں یاد رکھی جائیں گی، کہانیوں کے علاوہ لڑکیوں کے لئے عفّت موہانی نے اخلاقی، اصلاحی اور درسی نوعیت کے مضامین اور ڈرامے بھی تحریر کئے ہیں۔

صاحبِ طرز ادیبہ، بہترین افسانہ نگار، انشاپرداز، مزاح نگار اور بچوں کی ادیبہ کی حیثیت سے شفیقہ فرحت نے کافی مقبولیت حاصل کی، ان میں بچوں کے ادیب کی جملہ خوبیاں موجود تھیں، وہ زندگی کے ہر موڑ پر بچوں کے قریب رہیں، اور زندگی بھر درس و تدریس سے وابستہ رہیں، انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں بھی لکھیں، اور ڈرامے بھی، اور بچوں کے رسائل: چاند اور کرنیں کی ادارت بھی کی، بچوں کی کہانیوں کے ساتھ انہوں نے بچوں کے لئے فیچرز بھی لکھے، انہوں نے بچوں کی درسی کتب کی ترتیب و تدوین میں بھی حصّہ لیا، مندرجہ ذیل

مقبولِ عام کتابیں ان کی یادگار ہیں: چوں چوں بیگم، ایک ٹکڑا بادل کا، اور بچوں کے نظیر اکبر آبادی۔

عطیہ پروین، کرن شبنم اور عابدہ محبوب کا قلمی سفر اب بھی جاری ہے۔

خواتین کی نمائندہ ادیبوں اور شاعروں میں مشہور افسانہ نگار اور ناول نویس عطیہ پروین اہمیت کا حامل ہے، آزادی کے بعد اردو ادب، اطفال کو شش جہت فروغ دینے میں عطیہ پروین کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں، انہوں نے بچوں کے لئے متنوع موضوعات پر سیکڑوں کہانیاں، نظمیں، ڈرامے، خاکے، مزاحیہ فیچرز اور ناولٹ لکھے ہیں، ان کی تمام نگارشات موضوع، زبان، پیش کش اور اسلوب کے اعتبار سے بچوں کے ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں، عتیہ پروین گزشتہ چھ دہائیوں سے مستقل لکھ رہی ہیں، ان کی تحریریں ہندو پاک کے ہر سالے اور اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں، کتابی شکل میں ان کی طویل کہانیوں میں: شہزادی شب نور، فاختہ شہزادی، ننھے میاں نے کھیر کھائی اور جنت کی تلاش قابلِ ذکر ہیں، جو مکتبہ کلیاں لکھنوٴ سے شائع ہوئی ہیں، نرالی دنیا پبلی کیشنز نئی دہلی نے ان کی کہانی: ناگ شہزادہ شائع کی ہے۔ (۷)

حیدر آباد سے تعلق رکھنے والی عابدہ محبوب ۱۹۵۸ء سے بچوں کے لئے لکھ رہی ہیں، انہوں نے پاکستان کے شگفتہ طنز و مزاح نگار شفیق الرحمٰن کے زندہ جاوید کرداروں: حکومت آپا اور شیطان سے متاثر ہو کر "آپا" اور "میں" کرداروں کو وضع کیا، ان کی مزاحیہ اور سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ: "چکنی ہانڈی" نومبر ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا، ان کی بعض کہانیاں اور ڈرامے آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد سے نشر ہوئے ہیں، "چکنی ہانڈی" میں دل چسپی، عبرت اور مزاح کا حسین امتزاج ہے۔ (۸)

بچون کے ادب کے چوتھے دور میں جو نئے عہد سالہ ۲۰۰۰ء سے تا حال جاری ہے، بچوں کی قلم کار خواتین میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، ان میں کشور ناہید، عقیلہ بانو، نور جہاں نور، ڈاکٹر بانو سرتاج، مہر رحمٰن، زینب نقوی، شہناز نبی، طیّبہ بیگم، شبانہ، ذکیہ تجلّی، وسیمہ عشرت بیابانی، رحمت انجم، انیس فاطمہ، عطیہ حبیب، نوشین انجم، معراج النساء بیگم، عرشیں فردوس، ڈاکٹر عالیہ خان، شاکرہ بیگم صبا، ڈاکٹر فوزیہ چودھری، ڈاکٹر حلیمہ فردوس، شاہوار بیگم، ڈاکٹر انجمن آرا انجم، انشراح انور اور ڈاکٹر صادقہ نواب سحر وغیرہ ممتاز ہیں۔

شہرہ آفاق فن کار کشور ناہید کی ادبی زندگی کا آغاز بچوں کے ادب سے ہوا، انہوں نے بچوں کے لئے نظم و نثر میں صحت مند ادب تحریر کیا ہے، انہوں نے ادبِ اطفال میں نئے تجربے کئے، طبع زاد کہانیوں کے ساتھ روایتی اور ماخوذ کہانیاں بھی لکھیں، جادو کی ہنڈیا، شیر اور بکری، ہیروں کا سیب، چاند کی بیٹی اور گدھے کی بانسری ان کی کہانیوں کے مجموعے ہیں، ان کی کہانیوں کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ ماخوذ کہانیاں ہیں یا دوسری زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں، انہوں نے قرۃ العین حیدر کی طرح ترجمہ نگاری میں فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے، ان کیتمام کہانیاں ماہ نامہ نونہال کراچی میں چھپنے کے بعد ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی اور بعد ازاں مکتبہ پیامِ تعلیم نئی دہلی سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئی ہیں، کشور ناہید نے نثر کے ساتھ منظوم ادب میں بھی اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں، ان کی نظمیں زبان و موضوع ہر اعتبار سے بچوں کی اپنی نظمیں ہیں، خصوصاً مختصر منظوم کہانیوں میں شوخی و ظرافت جھلکتی ہے، گدھے نے بانسری بجائی، بطخ اور سانپ کتّے اور خرگوش، آنکھ مچولی، مینڈک اور مرغی چڑیا کو یلان کی مکالماتی نظمیں ہیں، منظوم کہانیوں کا یہ نیا تجربہ ہے، کشور نہید دورِ حاضر میں ادبِ اطفال کی بہترین نمائندگی کر رہی ہیں، وہ ہند و پاک دونوں کی مقبول ترین ادیبہ و شاعرہ ہیں۔ (۹)

ڈاکٹر بانو سرتاج (پ: ۱۹۴۵ء) بچون کے ادب میں ایک نہایت معتبر و مستند نام ہے، وہ ایک عرصہ سے مستقل مزاجی کے ساتھ بچوں کے ادب کی آب یاری کر رہی ہیں، وہ بیک وقت اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں بچوں اور بڑوں

کے لئے لکھتی ہیں،انہوں نے بچوں کے لئے متعدّد کہانیاں،ناول،ڈرامے اور نظمیں لکھی ہیں،جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

کہانیاں: ممی نا بولیں، گھمنڈی کا سرنیچا

ناول: جنگل میں منگل

ڈرامہ: وطن کے لئے، آئی برسات آئی، ٹلکم ٹولا گھی کا گولا، چناؤ کا چکّر، مزاحیہ ڈرامے، جب جاگے تبھی سویرا، ہندی مراٹھی ڈرامے (ترجمہ)

نظمیں: مرغے میاں کی ککڑوں کوں۔

مذکورہ تمام اصناف کو انہوں نے بہت کامیابی سے برتا ہے،اور بچوں کے ادب کی کامیاب نمائندگی کی ہے،انہوں نے اپنی تمام تحریروں میں بچوں کی دل چسپی ،حیرت و استعجاب، مسرّت اور مزاح کا بھرپور خیال رکھا ہے، زبان سیدھی سادی اور سلجھی ہوئی استعمال کی ہے، جملے چھوٹے چھوٹے اور رواں ہیں، انہوں نے اپنی ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی درس اور پیغام ضرور دیا ہے، اخلاق و محبت ، رواداری، قومی یک جہتی، شائستگی، حصولِ تعلیم اور عدل وانصاف کی بازیافت ان کی تحریروں کے اہم مقاصد ہیں۔(۱۰)

ڈاکٹر بانو سرتاج قاضی کو ڈراما نویسی میں کمال حاصل ہے، ان کے ڈرامے بچوں کے ڈرامون میں خوش گوار اضافہ ہیں، ان کے ڈرامے اتنے مقبول ہوئے کہ مہا راشٹرا، مدھیہ پردیش، تلنگانہ اور آندھرا پردیش کی سرکاری نصابی کتب میں شامل کئے گئے ہیں، ان ڈراموں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بچے انہیں آسانی سے اسٹیج کر لیتے ہیں۔

زینب نقوی ایک ابھرتی ہوئی فنکارہ ہیں، جن کی ممتا بھری تحریریں بچوں کی کہانیوں میں خوش گوار اضافہ ہیں، وہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں بہ یک وقت لکھ رہی ہیں، بچوں کے اردو اور ہندی رسائل میں ان کی کہانیاں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں، انہون نے بچوں کے لئے کہانیوں کے ڈرامے، فیچرز اور مضامین بھی لکھے ہیں، وہ ایک ماہرِ نفسیات ہیں، اور بچوں کی فطرت، دل چسپیوں اور نیرنگیوں سے اچھی شناسائی رکھتی ہیں، ان کی تحریروں میں اعلیکیر دار کی عکاسی ہے، ان کی تیئیس کہانیوں کا مجموعہ: خوابوں کی راج کماری زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر بقائے دوام حاصل کر چکا ہے۔(۱۱)

مہر رحمٰن نے بچوں کے لئے دل چسپ اور پر مزاح ڈرامے لکھ کر بچوں میں مقبولیت حاصل کر لی ہے، بازیچہء اطفال ان ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے، اس میں شامل کئی ڈرامے اسٹیج کئے جا چکے ہیں، اور انعامات سے نوازے گئے ہیں، ان کا دوسرا ڈراموں کا مجموعہ : طشت میں ہاتھی ہے، ان کے تمام ڈرامے بچوں کی عمر، قابلیت اور استعداد کو مدّنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے ہیں، ڈراموں کی زبان، واقعات، کردار اور مکالمے بچوں کے ماحول اور ان کی نفسیات سے ہم آہنگ ہیں، بچوں کی تعلیم، آزادی، پوشیدہ خواہشات اور مزاحیہ طبیعت کی بھرپور آسودگی ان ڈراموں میں نظر آتی ہے، اور ان کے مسائل کا حل بھی نظر آتا ہے، بچوں کے ڈرامہ نگاروں میں مہر رحمٰن ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ عقیلہ بانو بچوں کے ادب میں کامکس کے حوالے سے اپنی پہچان رکھتی ہیں، ماہ نامہ امنگ دہلی میں ان کے کامکس پابندی سے شائع ہوتے ہیں، انہوں نے کثیر تعداد میں کامکس لکھ کر اردو داں بچوں کے لئے دل چسپ کامکس کی کمی کو پورا کیا ہے، ان کے کامکس کے مجموعے: انوکھا باغ اور کپاس بادل دہلی اردو اکادمی نے کتابی شکل میں شائع کئے ہیں۔

بچوں کے لئے مستقل لکھنے والوں میں نور جہاں نور کا نام بھی شامل ہے، امنگ، پیامِ تعلیم وغیرہ میں ان کی نگارشات برابر شائع ہوتی رہتی ہیں، انہوں نے بچوں کے ادب پر کامیاب تجربے کئے ہیں، انہوں نے مختلف اصناف اور متنوع موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے، وہ بہترین شاعرہ ہیں، اور بچوں میں حب الوطنی اور قومی ہم آہنگی کے گیت سنانے میں ماہر ہیں، اس کی اچھی مثال "یومِ جمہوریت کا ہے مفہوم کیا" جیسی نظم ہے، اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

آج بھارت کے بچے یہ وعدہ کریں
چاچا نہرو کے رستے پہ ہم سب چلیں
قتل ونفرت وجنگ وجدل چھوڑکر
رشتہ عالم کے پھر پیار کا جوڑ کر
پھر ہمایوں بنے کوئی کرنا وتی
کوئی مریم ہو کوئی سیتاوتی
نور کی یہ نصیحت بھلانا نہیں
ہند کی شان وشوکت مٹانا نہیں

خواتین قلم کاروں میں ڈاکٹر صادقہ نواب سحر کا کام نہایت وقیع ہے، ناول نگار، افسانہ نگار، ڈراما نگار، محققہ اور بچوں کی شاعرہ وادیبہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنی شناخت بنائی ہے، اردو، ہندی کے علاوہ تیلگو اور انگریزی میں بھی ان کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، مغربی بنگال بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن کی اردو کی دسویں کتاب میں ان کا ایک ڈراما: سلطان محمود غزنوی شامل ہے، جب کہ بال بھارتی کی اردو کی پانچویں کتاب میں ان کی نظم: آؤ دعا مانگیں شامل ہے، بچوں کے لئے ان کی نظموں کا مجموعہ: پھول سے پیارے جگنو ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔

بنگلور کی ڈاکٹر حلیمہ فردوس نے بچوں کے لئے لسانی کھیلوں پر مشتمل کتاب: الفاظ کی دنیا ترتیب دی ہے، جس میں دقیق نظری کے ساتھ لسانی رموز کو کھیلوں میں پیش کیا ہے، ان کی کہانیوں، ڈراموں اور مضامین کا مجموعہ: بچوں کی دھنک رنگ دنیا ۲۰۱۶ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا، اس کتاب میں انہوں نے اکیسویں صدی کے عصری تقاضے کو مدّنظر رکھتے ہوئے دل چسپ ودل نشیں اسلوب میں تجسّس وتحیّر کے ساتھ افادی و تعمیری عناصر کو زیریں لہروں کو رواں دواں کر دیا ہے۔

ان کے علاوہ بچوں کے ادب کی آبیاری کرنے والی خواتین قلم کاروں میں مندرجہ ذیل خواتین بھی شامل ہیں:

صفیہ سلطانہ صدّیقی (چاندی کا جوتا)، غزالہ نورانی (گاجر بی بی)، صائمہ انیس (جنگلی جلوٹ)، امینہ فاطمہ (چچا گدھ)، شیریں مقصود (کیکڑ اور مچھلی)، ثریا فرّخ (جھیل کا راز) سیّدہ سیّدین حمید (بچوں کے الطاف حسین حالی) سیما پرویز (آرٹ کی کہانی) اور رفیعہ شبنم عابدی (انوار سہیلی کی کہانیاں)۔

جب کہ مندرجہ ذیل خواتین نے ترجمہ کے ذریعہ بچوں کے ادب کی توسیع میں اپنا حصّہ ادا کیا ہے، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی کے زیرِ اہتمام ان کی ترجمہ کردہ کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں:

شہناز فاطمہ، صغریٰ مہدی، ثریا جبین، نجمہ نقوی، تسنیمہ زیدی، سیّدہ فرحت، عائشہ خاتون، ریحانہ رضوی، عائشہ صدّیقی، شمیمہ بیگم، جہاں آرا، زینت شہریار، شمیم جہاں، کشور سلطان، شہناز اقبال، زاہدہ خاتون، شہناز پروین، نازنین علی، سلمیٰ اجمیری اور طلعت گل وغیرہ۔

اس مختصر جائزہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ سو سال کے عرصہ میں خواتین نے بچوں کے ادب کے فروغ، توسیع اور اشاعت میں پورے خلوص، توجہ اور دردمندی کے ساتھ حصّہ لیا ہے، اور اس میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

حواشی:

(۱) اردو ادب اطفال میں خواتین کا حصّہ: ۳۷ از: ڈاکٹر خوشحال زیدی
(۲) حوالہ سابق: ۶۷
(۳) بچوں کے ادب کی تاریخ: ۲۰۷_۲۰۸ از: ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی
(۴) اردو میں بچوں کا ادب: ۲۴۰ از: ڈاکٹر خوشحال زیدی
(۵) اردو ادبِ اطفال کے معمار: ۱۲۳_۱۲۴ از: ڈاکٹر خوشحال زیدی
(۶) اردو میں بچوں کا ادب: ۲۴۴
(۷) اردو ادبِ اطفال میں خواتین کا حصّہ: ۷۹_۸۷
(۸) بچوں کا ادب اور اخلاق۔ ایک تجزیہ: ۱۲۶ از: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
(۹) اردو ادب اطفال میں خواتین کا حصہ: ۸۸_۹۲
(۱۰) بچوں کے ادب کی تاریخ: ۳۲۸_۳۲۹
(۱۱) اردو ادب اطفال میں خواتین کا حصہ: ۱۰۷_۱۰۸

احمد نور عینی
پی ایچ ڈی اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

اقبال فہمی

کرتی ہے ملوکیت آثار جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

(گذشتہ سے پیوستہ)

اقبال نے بطور مثال چنگیز اور تیمور کا ذکر کیا ہے، چنگیز سے اشارہ اس عذاب کی طرف ہے جو چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں تاتاریوں کی صورت میں عالم اسلام پر آیا تھا، تاتاری حملے کی شروعات چنگیز خان کی قیادت میں ہوئی اور پھر تقریبا نصف صدی تک یہ قوم پوری بے دردی اور بے رحمی سے مسلمانوں کی نسل کشی کرتی رہی، چنگیز خان نے عالم اسلام پر فوج کشی کی باضابطہ شروعات خوارزم شاہی سلطنت پر حملہ آوری کے ذریعے کی، خوارزم شاہی اپنے وقت کی وسیع اور عظیم سلطنت تھی جسے تاتاریوں نے تاریخ کا ایک حصہ بنادیا، یہ سلطنت موجودہ دور کے افغانستان، ترکمانستان، ازبکستان، قزاقستان، تاجکستان اور پاکستان وایران کے کچھ حصوں پر پھیلی ہوئی تھی، مگر تاتاری آندھی نے اس سلطنت کی بل کھاتی سرحدوں کو ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، تاتاریں نے خوارزمی سلطنت سے لے کر دولت عباسیہ تک کے علاقے کو روند ڈالا، آبادیاں ویران کردیں، بخاری اور سمرقند شہر چراغاں سے شہر خموشاں میں تبدیل ہوگئے، اور پھر ۶۵۶ھ میں چرخ کہن سال نے وہ وقت بھی دیکھا جب بغداد میں خلافت عباسیہ نے آخری سانس لی اور ہلاکو خان کی قیادت میں تاتاری وحشیوں نے اسے خون مسلم سے غسل دیا۔

تیمور سے اشارہ اس حملہ کی طرف ہے جو تیمور لنگ نے ہندوستان پر کیا تھا، چنگیز خان نے سمرقند و بخاری جیسے شہر اجاڑے تھے تیمور لنگ نے دلہن ہند دلی کا سہاگ لوٹ لیا، چودھویں صدی عیسوی کے بالکل اخیر میں تیمور ہندوستان پر قہر خداوندی بن کر نازل ہوا، خون کی ندیاں بہائیں، کھوپڑیوں کے مینار بنائے، قتل وغارت گری کا ننگا ناچ کھیلا اور دلی ویران وسنسان ہوکر رہ گئی۔

اقبال نے دوسرے مصرع میں تیمور و چنگیز جیسے حکمرانوں کو نشتر سے تشبیہ دی ہے، یہ شعر تشبیہ بلیغ کی مثال ہے؛ کیوں کہ اس میں ادات تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہیں، وجہ شبہ واضح ہے کہ جس طرح کسی مریض کا آپریشن کرنے یا اس کے جسم سے فاسد مادہ نکال پھینکنے کے لیے نشتر کا سہارا لیا جاتا ہے اسی طرح کسی قوم یا کسی حاکم طبقے سے یا کسی سماج سے حکومت وملوکیت اور مطلق العنانیت کے فاسد عناصر کو دور کرنے یا نشۂ اقتدار میں مست حکمراں طبقے کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے تیمور یا چنگیز جیسے ناقابل تسخیر حکمرانوں کو صفحۂ ہستی پر برپا کیا جاتا ہے۔

اقبال نے نشتر کی اضافت اللہ کی طرف کرکے اس شعر کی معنویت کو دوبالا کردیا، اس اضافت سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ ظالم کی کلائیاں موڑنے اور اس کا پنجۂ اقتدار مروڑ کے لیے جب بھی کسی ظالم کو برپا کیا جاتا ہے، تو یہ قانون خداوندی کے مطابق سنت خداندی کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ نشتر کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ جس طرح نشتر کو کوئی ڈاکٹر جب فاسد خون نکالنے کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نشتر سے اس کو محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اس نشتر کو ایک آلے اور ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے، اسی خدا جب کسی ظالم طبقہ کا فاسد عنصر کو سماج سے نکالنے کے لیے کسی دوسرے ظالم طبقے کو اس پر مسلط کرتا ہے تو اس کا سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرا طبقہ خدا کا محبوب ہو اور اس کے مقربین میں سے ہے۔

نفیسہ خان (ایم اے بی ایڈ) حیدرآباد

''دیا ہوں اور دیئے کا فرض پورا کر رہا ہوں میں''

کچھ عرصہ پہلے تک مختار احمد فردین صاحب کو میں بس اس قدر جانتی تھی کہ وہ بینک میں کام کرنے والے ایک فرض شناس شخص ہیں چونکہ بینک میں لین دین کے معاملہ میں ہمیں بھی اکثر بینک کی سیڑھیاں چڑھنے پڑتی ہیں وہ اپنی کرسی پر براجمان کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ آنے والوں پر گہری نظر رکھتی ہیں۔آہستہ آہستہ یہ راز بھی کھلا کہ وہ اردو کی دلداہ ہیں کیونکہ وہ اردو کی محفلوں 'مشاعروں'، مجلسوں وسمیناروں میں سلام علیک ہوتی رہی بقول مختار احمد فردین دنیامیں اللہ تعالیٰ مختلف شخصیتوں کو پیدا کرتا ہے اوران سے مختلف کام لیتا ہے۔اسی طرح ان کی دلچسپی بھی صحافت میں بڑھتی گئی تو جرنلزم کی ڈگری حاصل کی اور اردو ماس سوسائٹی نہ صرف قائم کی بلکہ سینکڑوں ارکان اس میں شمولیت اختیار کرنے لگے۔ جب اخبارات وخبروں کے قریب ہوئے تو معاشرہ اور حکومت کے ہر محکمہ میں پھیلی بدنظمی وناانصافی سے متاثر ہوئے اور مطالعہ وسیع ہوتا گیا تو پھر قلم کو اپڑ لگائی اور وہ بھی سرپٹ رفتار پکڑنے لگا۔انہیں ایک ایسے سچے صحافی کی تلاش تھی جس کا قلم سچ کو گلتے ہوتو نظر انتخاب عزیز احمد برنی صاحب پر پڑی۔اوران کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی مصروفیات کے باد جود اپنا مقالہ عزیز برنی کی شخصیت پر لکھ ڈالا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی کئی تنظیموں 'اخبارات' رسائل وانجمنوں سے وابستہ ہوتے گئے۔میں نے کئی ادبی جلسوں وسمیناروں میں دیکھا کہ وہ اپنی روٹی روزی کی خاطر ابھی بینک کی سیٹ پر ہیں تو اس سے فراغت پاتے ہی محفل میں رونق افروز ہیں۔انہوں نے اپنے آپ کو اس طرح سے اردو سے وابستہ کرلیا کہ دن تمام کمپیوٹر میں سرکھپار ہے ہیں تو شام رات گئے تک ادبی محفل کی نظر ہورہی ہیں۔ اس پر گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ الگ۔ان سب نے مل کر یہ سوچنے کا موقع تک نہیں دیا کہ اس بات پر توجہ کرسکے کہ ان کی تمام مصروفیات کو سنبھالنے والی آماجگاہ یعنی دل کی شریانوں پر کیا گذر رہی ہے۔کبھی میڈیکل چیک اپ کرانے کا شائد خیال ان کو نہیں آیا تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریانوں نے دل کو خون کی رسد میں رخنہ ڈال کر ہڑتال کرنے کا اعلان کردیا۔ایک دن ہم خود ہواس باختہ کیئر ہاسپٹل میں ڈاکٹر کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھا وہیل چیئر پر نحیف وکمزور خوفزدہ مختار احمد فردین صاحب کسی مجنوں کی طرح گریبان چاک کرنے کی بجائے سینے کی چمڑی چاک کروا کر بعد لمبی چوڑی رفوگری کے بخیہ ادھڑوانے کے لیے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہورہے ہیں اپنی پریشان بھول کر لیک کر ان کی حال چال پوچھی۔اللہ کرم کہ اس نے صحت کاملہ عطا کی ۔زندہ دل افراد کے محافل کی جان مختار احمد صاحب کے شاید وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ:

ہم پہ ایسی بھی پڑے گی کہ ہمیں معلوم نہ تھا

لیکن اب بھی انہیں سمیناروں وادبی محفلوں کے پیچھے ہلکان ہونا ان کی صحت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔بس فرصت کے اوقات میں اپنے قلم کو متحرک رکھ کر اردو ادب کے ہر میدان پر چھاجایئے۔آپ کے قلم رسائی ہزاروں تک ہوسکتی ہے۔صحافی قوم کا اثاثہ ہوتا ہے اس لیے سماج میں کسی مستعدی بیماری ووبا کی طرح پھیلنے والی برائیوں کو نہ صرف اجاگر کریں بلکہ ان کے تدارک کی انتھک کوشش بھی کریں۔ایک صاف گو محبِ وطن صحافی کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں کئی مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں یا پھر سیاستدانوں' غنڈہ عناصر کے تلوے چاٹنے پڑتے ہیں اس لیے عزت نفس کا سودا کیے بناء صحافیوں کی فہرست میں اپنا نام درج کروانا ہمت طلب کام ہے۔ہر مرد خصوصاً اگر وہ مومن بھی ہے تو اس میں اخلاقی جرأت ہو ظلم کے خلاف آواز

بلند کر کے اپنے خیالات کا اظہار بیباک وںڈر ہوکر کرے کہ عقل ودانش مندی اورانسان کی اپنی سوچ وبصیرت خدا کا عطا کردہ وہ انمول عطیہ ہے اس لیے: اصول پر آنچ آجائے تو ٹکرانا ضروری ہے اگر زندہ ہے تو ہمیں زندہ نظر آنا ضروری ہے

اس لیے نہ صرف مختار صاحب سے بلکہ پیشے صحافت سے وابستہ تمام افراد سے یہی کہوں گی کہ ہر تبدیلی لانے کے لیے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ سماج اور حکومت میں بہتری اورخوشگوار تبدیلی لانا ہو تو عوام کو پہلے بذریعہ قلم احتجاج پر مائل کرنا ضروری ہے۔ ہمیں ذہن کے دریچوں کو کھلا رکھنے والا ادیب سماجی محرکات سے پہلے متاثر بھی ہوتا ہے اور اپنے صفحہ قرطاس کی مدد سے دوسرے بیدار معتزز افراد تک اپنی بات پہنچانے کی پوری ایمانداری سے کوشش کرتا ہے اوراس میں کامیاب بھی ہوتا ہے۔ صدق دل سے بہتر کام کرے تو ضروراس میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ آپ کا قلم اور تحریر متاثر کن ہو تو سماج میں آپ کی الگ پہچان بنا پاتی ہے۔ اوراس کے لیے آپ کو سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ کے قلم کی وجہ سے لوگ آپ کو جانتے ہیں۔ پہچانتے ہیں اور آپ کو نہ صرف تعریف،توصیف، محبت، اپنائیت سے نوازتے ہیں بلکہ تکریم وتعظیم بھی آپ کے حصے میں آتی ہے۔

مختار صاحب اپنے سادہ مزاج کی طرح سادہ اور سلیس زبان میں اپنے خیالات کو منعکس کرنے کا فن خوب جانتے ہیں جبکہ آج کل ادباء کا مطالعہ ومشاہدہ بہت کم ہو گیا ہے۔ خود پرستی اور خودنمائی نے اپنے سے معمر قابل شعراء وادیب ودانشوروں سے مستفید ہونا چھوڑ دیا ہے۔ خلوص اپناپن جیسے جذبے معدوم ہو گئے ہیں۔ نہ بڑوں کا احترام نہ ادب نہ چھوٹوں سے سبقت باقی رہی ہے ۔نہ اپنے خاندانی وقار اور وضعداری کا خیال ہے۔ نہ خواتین بزرگوں کی تعظیم کا احساس باقی ہے نہ استاد وشاگرد کے رشتوں میں عقیدت باقی ہے مگر مختار احمد فردین کے پاس یہ خوبیاں موجود ہیں۔ سنا ہے کہ محفل آراستہ کرنے، گلپوشی، شال پوشی اور تہنیت ادا کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں لیکن اب اردوداں طبقے نے انہیں الٹی میٹم دیدیا ہے کہ میاں سہ ماہی، ششماہی تہنیت دینے کے بجائے سالانہ تہنیت پر اتفاق کرو تو مناسب رہے گا............ مگر جنوں ہے کہ انمول رتن ایوارڈ نئی نسل تک کشمیر سے کنیا کماری تک پہنچے۔

آج کل اردو میں اچھا ادب اچھے افسانے، مضامین پڑھنے دل ترس رہا ہے۔ اب معاشرے کے حل طلب مسائل نے اردو تقاریب کو پرانی روایتوں سے دور کر دیا ہے۔ اخبار زرسائل ذوق کی تسکین سے محروم ہے۔ ماحول کی بے راہ روی اور ذہنی آلودگی ہر چیز پر اثر انداز ہے۔ کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ رسم اجراء کی تقاریب بھی ہو رہی ہے۔ مشاعروں کا انعقاد بھی عمل میں لایا جا رہا ہے لیکن محفل کی رونقیں معدوم ہے۔ آپسی خلوص کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں وبے چینیوں .... اخلاقی اقدار کا زوال پذیر ماحول، سکون ومسرت کی چند گھڑیوں کی ترستے معمر اردو داں طبقے کو آسودگی بخشنے سے محروم ہیں۔ وہ کیف وتسکین کا ماحول اب اردو کی چاشنی ومٹھاس کی طرح ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اب اردو صرف بول چال کی ہندوستانی زبان بن کر رہ گئی ہے جو اردو کے خوبصورت الفاظ سے روز بہ روز محروم ہوتی جا رہی ہے۔ ہم مصلحت آمیزی کا شکار ہیں۔ ذہن کی آلودگی معاشرے کی تشکیل میں مانع ثابت ہو رہی ہے۔ مختار احمد فردین صاحب کی انتھک کوشش ہے کہ اردو کو واسطہ بنا کر کردار کی بلندی، خیالات کی پاکیزگی، جذبات کو خلوص واپنائیت سے ہم آہنگ کرتے جائیں اور اردو کی زنجیر کی ٹوٹتی کڑیوں کو جوڑنے کا کام کریں جہاں قلم کا سہارا لیا ہے وہیں آپسی میل ملاپ کو بڑھانے کے لیے جلسے سیمناروں ومحفلوں میں اردو نواز ادب افراد کو جوڑ کر ایک پلیٹ فارم لانے کوشاں ہیں جہاں ادباء وشعراء گروپ بندی کا شکار ہو گئے ہیں وہاں فردین صاحب کی کوشش ہے کہ وہ اس انفرادیت کا خاتمہ کر کے اجتماعیت کا ثبوت دیں۔ اللہ انہیں کامیابی وصحت عطا کرے اور صحافت کے میدان میں کام کرنے والوں سے التجا ہے کہ اس شعر کی طرح مایوس وناامید نہ ہوں:

جو خواب تھے میرے ذہن میں نہ میں کہہ سکتا نہ میں لکھ سکا

کہ زباں ملی تو کٹی ہوئی کہ قلم ملا تو بکا ہوا......!

ملک میں اردو اور موجودہ دور کی سماجی صورت حال پر ایک علمی اور فکری مذاکرہ

تصویر میں دائیں سے ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر سراج احمد انصاری، ابو ہریرہ یوسفی، ڈاکٹر ہارون رشید، ڈاکٹر عبدالقدوس، ڈاکٹر مختار احمد فردین، پروفیسر انور معظم، ڈاکٹر مولانا محمد محامد ہلال اعظمی، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، محسن خان، ڈاکٹر محمد رفیق، ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے تازہ شمارہ کا رسم اجرا کرتے ہوئے

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدراباد کی جانب سے بمقام لا مکان بنجارہ ہلز حیدرآباد میں ملک میں اردو اور موجودہ دور کی سماجی صورت حال پر ایک علمی اور فکری مذاکرہ کا انعقاد کیا گیا . اس پروگرام کی صدارت معروف وممتاز محقق پروفیسر انور معظم سابق صدر شعبہ عربک واسلامک اسٹیڈیز عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد نے کی اس موقع پر ایک دوسرے سے متعادف ہوتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا کہ آپ تمام حضرات میں نوجوان قابل مخلص اور کام کرنے کا جذبہ ہے اردو عربی فارسی ہندی انگریزی جاننے والے خواتین وحضرات پر مشتمل ایک بہترین ٹیم ہے آپ لوگ بتائیں کہ اردو اور ملک کی موجودہ صورت حال سے کس طرح نکلا جاسکتا ہے انہوں نے خود کہا کہ اردو کو بنیادی طور پر گھروں محلوں اور اسکولوں میں پڑھنے کا عمدہ نظم کیا جائے افادہ اور استفادہ کی صورتوں کو آسان بنایا جائے اور نظیر کے طور پر ادارہ پرتھم کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ پرتھم اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب ہے صرف پینتالیس دنوں میں سلم اور غیر سلم بستیوں میں کامیابی سے اردو سکھا رہے ہیں اور ان کا یہ مشن ملک کے کونے کونے اور بیرون ملک پہنچ رہا ہے ریختہ ڈاٹ کام کے کام کو سراہا اور استفادہ کرنے کی گزارش کی عبد الصمد خان لائبریری جو گچی باولی حیدرآباد میں ہے ان کی بے لوث خدمات کی قدردانی کی اور اراکین سے مستفید ہونے کے بارے میں کہا ساتھ ہی انہوں نے اردو یونیورسٹی اور ملک کے تمام شعبہ اردو سے مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو طریقہ کار کو بدلنے کی ضرورت ہے ملک کی موجودہ صورت حال پر یہ فرمایا کہ ہم تعلیمی میدان میں آگے آئیں اور ایک دوسرے کو راستہ دکھائیں محبت خدمت اور قومی یکجہتی کا فروغ دیں تا کہ ہمارے ملک کی فضا منور ہو جائے . انہوں نے صدائے شبلی کو اور ضخیم اور موقر بنانے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی تحقیقی عمدہ مضامین پر مشتمل کتابی سلسلہ شروع کرنے کی بات کہی اس اہم موقع پر موجود شرکاء میں شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چیرمین اور صدائے شبلی کے ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے موصوف محترم سے اردو اور ملک کی موجودہ صورت حال پر ٹرسٹ کی خدمات کو پیش کیا ٹرسٹ کا ہر ممبر بے لوث اردو اور ملک کی خدمت میں لگا ہوا ہے ٹرسٹ کی طرف سے ایک سلم بستی میں ایک اسکول اور مدرسے کا انتظام کیا گیا ہےجہاں پر تقریبا 32 بچے زیر تعلیم ہیں ٹرسٹ کی طرف سے ماہ نامہ رسالہ صدائے شبلی پابندی سے نکل رہا ہے اور روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے اور اس وقت ٹرسٹ کا یوٹیوب چینل فیس بک پیج اور ایک ویب سائٹ Shibli international کے نام سے موجود ہے جس پر صدائے شبلی کے تمام شمارے آن لائن خریدے اور پڑھے جاسکتے ہیں ڈاکٹر مختار احمد فردین ڈاکٹر عبد القدوس ڈاکٹر سراج احمد انصاری ڈاکٹر حمران احمد ڈاکٹر سمیہ تمکین ڈاکٹر غوثیہ بانو محسن خان ڈاکٹر محمد رفیق ڈاکٹر ہارون رشید ابوھریرہ یوسفی اور مولانا وقار احمد سبھی ٹرسٹ کے ارکان موجود تھے اس اہم موقع پر صدائے شبلی کے تازہ شمارہ کی رسم اجرا انجام دی گ ءاور ڈاکٹر سمیہ تمکین نے اپنی تحریر کردہ کتاب پروفیسر انور معظم کی خدمت میں پیش کیا تقریبا ڈھاء گھنٹے علمی اور فکری گفتگو کرتے ہوئے مستقبل کے عزائم اور مقاصد کی تکمیل کے جذبے کے ساتھ یہ پروگرام اختتام کو پہنچا شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدراباد کے چیرمین ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری لا اُبالیؒ

سید الابدال سید شاہ عبد اللطیف لا اُبالی قدس سرہ کے اجداد میں سید سیف الدین ابوزکریا یحیٰی قادری قدس سرہ بغداد سے ہجرت فرما کر حماہ تشریف لائے۔ آپ دس واسطوں سے سرکارِ لا ابالیؒ کے جد اور پانچ واسطوں سے حضور غوث الثقلینؓ کے صاحبزادے ہوتے ہیں۔ حضرت سیف الدین ابوزکریا یحیٰی کی اولاد حماہ میں ہی قیام پذیر رہی۔ وہاں دس پشتیں گزریں۔ سرکار لا اُبالیؒ حماہ میں پیدا ہوئے آپ کی ابتدائی زندگی اسی مقام پر گزری۔ یہیں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی، بیعت وخلافت ہوئی اور یہیں سے ہجرت فرما کر آپ ہندستان تشریف لائے۔

آپ کے ہندستان تشریف لانے سے پہلے اکثر حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ آپ کی ولادت، پرورش، بیعت وخلافت اور ترک وطن کے سلسلے میں چند اہم باتیں معلوم ہیں۔ آپ مادر زاد ولی تھے، بچپن ہی سے کشف حاصل تھا، زندگی معمول کے مطابق گزر رہی تھی۔ آپ اپنے وطن اور اپنے ماحول میں بالکل مطمئن تھے، خوش وخرم زندگی گزر رہی تھی۔ ہجرت سے قبل چچا زاد بہن سے آپ کا رشتہ طے پایا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قدرت آپ سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ آپ نے حماہ جیسے ٹھنڈے مقام سے نکل کر کرنول جیسے گرم اور پتھریلے علاقے میں ہجرت فرمائی، اس جگہ جہاں کوئی چیز وجہ کشش نہ ہو۔ ایسے ملک کی طرف ہجرت کرنا جو بالکل اجنبی ہو۔ جہاں کے لوگ بالکل نئے اور زبان بالکل الگ ہو۔ رسم ورواج بالکل علیحدہ اور موسم بالکل مختلف ہو۔ ایک بہت بڑی آزمائش تھی، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو جس کام کا الہام فرماتا ہے، پہلے اس میں اس کام کے لیے ہمت واستقلال بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ آپ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی۔ اسلام کی تبلیغ ودعوت، مقاصد اسلام کی نشر واشاعت اور تعلیمات اسلام کی ترویج واقامت کے لیے اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر ہندستان چلے آئے، یہاں ایسے علاقے کو اپنا میدان عمل بنایا جہاں ضلالت وجہالت کے گھپ اندھیرے تھے۔

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی\
میں اس لیے مسلماں میں اس لیے نمازی

سرکار لا ابالیؒ قدس سرہ عین عالم شباب میں ہندستان تشریف لائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ لطیف ابالیؒ اور حضرت میراں حسین بغدادی (جو لنگر حوض حیدر آباد میں دفن ہیں) ایک ساتھ سلطان ابراہیم قطب شاہ(۹۵۷ھ تا۹۸۸ھ) کے زمانے میں ہندستان تشریف لائے۔ بیجاپور سے ہوتے ہوئے گولکنڈہ قلعہ پہنچے۔ گولکنڈہ کی جس مسجد میں قیام فرما تھے، وہاں دونوں کا بستر بھی باز و باز و لگایا جاتا تھا۔ حضرت بغدادی صاحب قبلہ حیدر آباد میں رہ گئے۔ حضرت لا ابالی سرکار عالم پور سے ہوتے ہوئے کرنول تشریف لے آئے۔ اس وقت پچاس سے زائد فقراء آپ کے ہمراہ تھے۔

جس وقت آپ کرنول تشریف لائے تھے۔ اس وقت یہاں کفر کا اندھیرا تھا۔ کچھ بزرگانِ دین پہلے تشریف لا چکے تھے، لیکن ابھی بہت کام باقی تھا، اس زمانے میں یہاں مسلمانوں کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ کافر مسلمانوں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ کفر وشرک کا زور تھا۔ آپ کی کرنول تشریف آوری کے بعد جب آپ نے کافر راجہ کی مری ہوئی لڑکی بحکم الٰہی زندہ کیا تو راجہ اور رعایا کی ایک بہت بڑی تعداد داخلِ اسلام ہوئی۔

تنقید کا شعور اور
''اردو شاعری کے معتبر چہرے''

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دو عدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

نام کتاب: اردو شاعری کے معتبر چہرے
مصنف: مولانا اسامہ ارشاد معروی
صفحات: ۲۸۶
قیمت: ۲۵۰
ملنے کا پتہ: مکتبہ الفہیم ریحان مارکیٹ فرسٹ فلور، صدر چوک مئوناتھ بھنجن۔ نعیم بک سیلر صدر چوک مئوناتھ بھنجن
تبصرہ نگار: **مولانا انصار احمد معروفی**

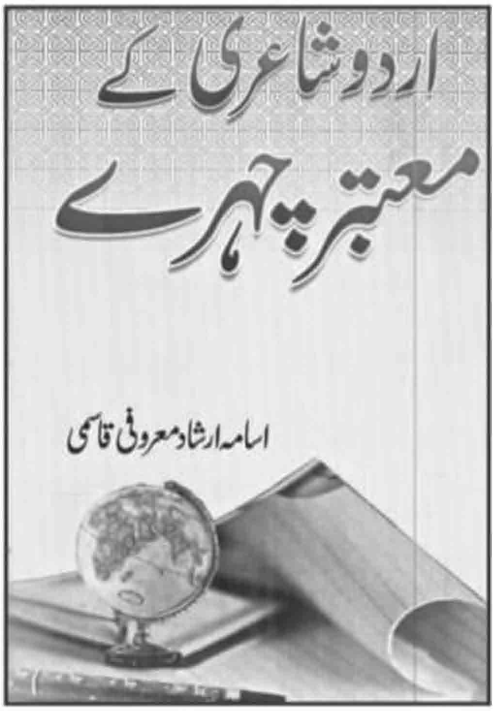

ابھی اسی ماہ جولائی میں تنقید کے موضوع پر ایک نئی کتاب ''اردو شاعری کے معتبر چہرے'' شائع ہوئی ہے، جس کے مصنف نوجوان قلم کار اسامہ ارشاد معروفی ہیں، جن کی اس سے پہلے دو کتاب شائع ہو کر مقبول چکی ہے، ایک ''نغماتِ کوثر'' کے نام سے، جب کے دوسری ''گلدستۂ مضامین'' ہے، اردو شاعری کے معتبر چہرے کو لوگ کافی پسند کر رہے ہیں، جس میں مقامی ان شعرا کا زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے، جو اکثر بڑے بڑے نقاد کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں، یا جنھیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ان میں سبھی وہ شعرا ہیں جو ابھی زندہ ہیں، اور جن کی کتابیں یا کلیات شائع ہو چکے ہیں، کتاب میں تمام شعرا کے اشعار کے حوالے سے اچھی اور تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کسی ادب میں تنقید اتنی ہی ضروری ہے جتنی زندگی کے لیے سانس، کہا جاتا ہے کہ تنقید کے بغیر نہ تو ادب پنپتا ہے اور نہ ہی اصلاح ہوتی ہے، ادب میں تنقید کی دو نوعیتیں ہیں، ایک تو وہ تنقید ہے جو فن پارے کی تخلیق میں فنکار کی مدد کرتی ہے، دوسری وہ جو تخلیق کے مکمل ہونے کے بعد اس فن پارے کے پڑھنے والے کے درمیان رابطہ کا کام دیتی ہے۔

ادب میں تنقید کی کارفرمائی اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب فنکار کے ذہن میں کوئی فن پارہ جنم لیتا ہے، گویا تخلیقی عمل کے ساتھ ساتھ تنقیدی عمل بھی شروع ہو جاتا ہے، ایک مفکر کا کہنا ہے کہ جب سنگ تراش کوئی مورت بنانے کا خیال ذہن میں لاتا ہے تو اس مورت کی شبیہ اس کے ذہن میں مکمل طور پر جنم لے چکی ہوتی ہے، اور جب کوئی ادیب و شاعر کوئی تخلیقی عمل شروع کرتا ہے تو نظم، غزل یا افسانے کا خاکہ اس کے ذہن میں جنم لے چکا ہوتا ہے، اور جب نقاد اسے اپنے طور پر پرکھتا ہے تو تنقیدی ادب جنم لیتا ہے، تنقیدی شعور ہی کسی ادیب کی رہنمائی میں صحیح کردار ادا کرسکتا ہے۔

ہر قاری کے اندر ایک نقاد چھپا رہتا ہے، جو اسے

اس تخلیق کے حسن و قبح پر مطلع کرتا ہے، فن پارے کے محاسن و معائب پر اس کی گرفت مضبوط رہتی ہے ، یہ قاری چاہے پرائمری درجات کا کوئی طالب علم ہو، یا پختہ عمر کا کوئی مصنف، وہ کسی تخلیق کو پڑھنے کے بعد اپنے طور پر اس کے بارے میں فوراً ایک رائے قائم کرلیتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اپنے اس تنقیدی نظریئے کو وہ قلم وقرطاس کے حوالے کرے، یا نہ کرے، ایک نقاد کے ذریعے ہی کسی فن پارہ کے محاسن و معائب کو پرکھا جاتا ہے، اس کے حسن و قبح کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جس کے باعث وہ تخلیق، ردو قبول یا پذیرائی کے معیار سے گزر کر قدر و قیمت کے تعین میں سنگ میل کا کام کرتی ہے، کسی بھی تنقید نگار کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ غیر جانب دار ہو کر کسی تخلیق پر نظر ڈال کر اس کے حسن و قبح پر لوگوں کو مطلع کردے۔

بہت ممکن ہے کہ ایک فن کار اپنے دور حیات میں اپنی تخلیق کے سلسلے میں قارئین کی بے توجہی کا شکار ہو کر دنیا سے گزر جائے ، اور نظر انداز کردیئے جانے کے باعث وہ گوشۂ گمنامی پڑا رہ جائے، مگر تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں اگر اس کے فن پارے پر کسی تعمیری نقاد کی نظر پڑ گئی، تو وہ تخلیق کار ایک ناقد کی توجہ کی وجہ سے بڑا فن کار تسلیم کیا جاسکتا ہے، ایسا ہر زمانے میں ہوا ہے، اور آج بھی ہو رہا ہے۔

علمی دنیا میں مردہ پرستی ہمیشہ سے عام رہی ہے ، ابتدائی شعرا وادبا سے لے کر عصر قریب تک یہ روایت جاری تھی ، بڑے بڑے ادبا و شعرا کی قدر اس کی زندگی میں جیسی ہونی چاہئے تھی ، نہیں ہو سکی ، عصر حاضر میں اور وہ بھی گزشتہ چند سالوں سے اس روایت کا طلسم کچھ کمزور ہوا ہے، چنانچہ کچھ زندہ فنکاروں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک قابل قدر اور لائق تحسین رسم کی بنیاد پڑی ہے، جس کے نتیجے میں کچھ مشاہیر سے متعلق کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، رسائل کے خصوصی نمبر شائع ہوئے ہیں یا کم از کم کسی رسالہ کے خصوصی گوشہ کی اشاعت ہوجایا کرتی ہے، جو زندہ پرستی کی ایک اچھی اور اقدامی کوشش ہے۔

زیر اشاعت کتاب ’’ اردو شاعری کے کچھ معتبر چہرے‘‘ ایک تنقیدی کتاب ہے، جس میں سترہ شعرا کی حیات و

ڈاکٹر عبدالحنان رہبر۔ مبارکپور اعظم گڑھ یوپی

غزل

اپنی پلکوں پہ ترا خواب سجانے نکلے
یعنی بگڑی ہوئی تقدیر بنانے نکلے

پھر جنوں خیز ہوا جاتا ہے عالم دل کا
پھر تری راہ میں ہم خود کو منانے نکلے

پھر شبِ غم کی سیاہی کو مٹانے کے لیے
دل کی گلیوں میں ترا دیپ جلانے نکلے

مدتوں روتی رہیں خون کے آنسو آنکھیں
تب دل وجاں سے بہاروں کے ترانے نکلے

ایڑیاں اپنی رگڑتا رہا میں صحرا میں
بحرِ امید کے تب جاکے خزانے نکلے

گرمیٔ عشق سے بیدار ہوتے جب ہم بھی
سامنے اس کے جبیں اپنی جھکانے نکلے

ہم بھی بربادِ محبت کا تماشا بن کر
اپنی تصویرِ وفا ان کو دکھانے نکلے

آ ذرا پھر سے کھرچ کر انہیں تازہ کردے
تیری یادوں کے سبھی داغ پرانے نکلے

داستاں سن کے تری چونک گیا میں رہبر
تیری باتوں میں مرے غم کے فسانے نکلے

خدمات پر کتاب کے نوجوان مصنف اسامہ ارشاد خلیل معروفی نے تنقیدی نگاہ ڈالی ہے، مصنف نے اصول تنقید کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام شعرا کے اشعار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے کے بعد فن پارے کے حسن وقبح پر قارئین کو مطلع کر دیا ہے، اسی کے ساتھ زندہ پرستی کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے صرف باحیات شعرا کے تعارف پر مصنف نے اکتفا کیا ہے، جو یقیناً لائق مبارک باد کوشش اور مستحسن امر ہے، البتہ اس میں صرف انورؔ جلال پوری کا استثنا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ مضمون بھی شاید ان کی حیات میں ہی قلم بند کیا گیا ہوگا۔

شعرا کے تعارف میں اگرچہ مصنف نے اپنے ضلع مئو کو ترجیح دی ہے، مگر دیگر اضلاع اور صوبے کے شعرا کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، ان میں علاقے کے بعض وہ شاعر ہیں جو اگرچہ ایک گمنام ذرہ کے مانند ہیں مگر کسی سورج کی روشن کرن کے منتظر ہیں جو انہیں ذرہ سے آفتاب بنانے کے میں مدد کر سکے، کاش آج کل کے بڑے بڑے نقاد کسی جماعت بندی اور عصبیت سے اوپر اٹھ کر ایسے ایسے علاقائی ذروں کو دریافت کر سکیں جو انہیں مٹی سے سونا بنانے میں مددگار ثابت ہو سکیں، قابل فخر ہیں اسامہ ارشاد خلیل جنہوں نے اپنی ابتدائی کوشش و توانائی ان شعرا کے تعارف میں خرچ کی ہے، اور بہت سے ایسے علاقائی شعرا کو اوپر اٹھانے کی ٹھانی ہے جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے، آج کی یہ ابتدائی کوشش مستقبل میں عظیم تاریخی کام کرنے والوں کے لیے سنگ میل کا کام کر سکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی کوشش کو بار آور کرے اور اردو شاعری کے کچھ معتبر چہروں کا تعارف کرانے والے کو بھی معتبر بنا دے۔ آمین۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's
یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر
UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

Consultation Time
Morning:11:00 am to 2:30 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowki Hyderabad - 500008 T.S India

Mohammed Abdul Khader
Cell : 9392492002
: 9885959976
HUSSAIN
KIRANA STORE
WHOLESALE & RETAIL
Specialist in : All Kinds of Catering Suppliers
22-3-480/482, Clock Tower Main Road,

حسین کیرانہ اسٹور ہول سیل اینڈ ریٹیل
H.K. Caterers
مین روڈ میر عالم منڈی حیدر آباد